ماہنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

May 2026





وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 46 No. 07 May 2026

Dhul Qadah/Dhul Hijjah1447 AH

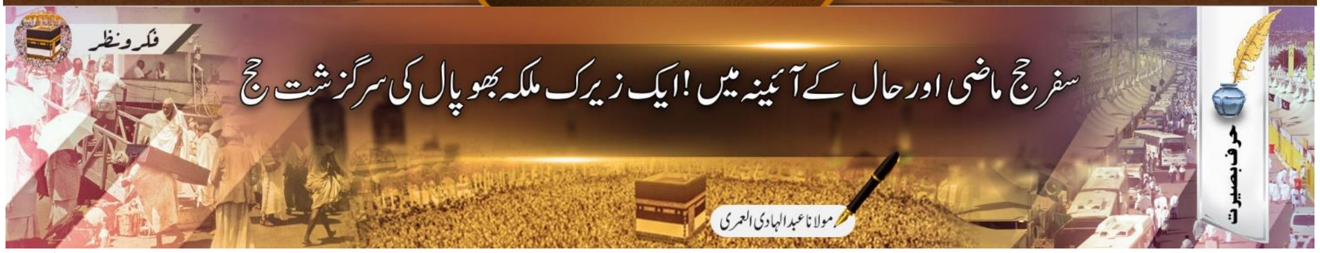
جلد: 46 شمارہ: 07 مئی 2026ء

ذوالقعدہ/ذوالحجہ: 1447ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



سفر حج ماضی اور حال کے آئینہ میں! ایک زیرک ملکہ بھوپال کی سرگزشت حج

تاریخ برصغیر میں ریاست بھوپال کئی اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے، یہاں کی بعض حکمران خواتین نے بڑا نام کمایا، حسن انتظام، رعایا کی فلاح و بہبود اور شہری ترقی میں ان کا اہم کردار ہے۔ بیرون ریاست بھی ان کی فلاحی سرگرمیوں سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہا، شاہ جہاں بیگم کے دور میں اسلامی کتب کی ترویج و اشاعت کا ایک وسیع سلسلہ ان کے شوہر نامدار ممتاز عالم دین علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی زیر نگرانی انجام پایا، برطانیہ میں بنائی جانے والی پہلی باقاعدہ مسجد اسی خاتون کے نام سے موسوم ہے، شاہ جہاں ماسک جو ووکنگ میں واقع ہے، وسیع قطعہ اراضی حاصل کر کے مسجد، مدرسہ اور دارالاقامہ کا خاکہ ترتیب دیا گیا، یہ مسجد ان کے صرف خاص سے تعمیر ہوئی، ایک اور مسجد جو انگریز نو مسلم عبداللہ قویلیم نے لیور پول میں رہائشی گھر خرید کر بنائی اور دعوت اسلامی کی داغ بیل ڈالی، یہ دونوں مساجد برٹش آثار قدیمہ کا حصہ ہیں، پھر تو اللہ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا گیا اور الحمد للہ اس وقت دو ہزار سے زیادہ چھوٹی بڑی مساجد برطانیہ میں پائی جاتی ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾

”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین سے اوپر رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے گواہی دینے والا۔“

فرمان رسول اللہ ﷺ ہے:

«لَيَبْلُغَنَّ هَذَا الأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، وَلَا يَتْرُكُ اللهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ هَذَا الدِّينَ، بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ، عِزًّا يُعِزُّ اللهُ بِهِ الإِسْلَامَ، وَذُلًّا يُذِلُّ اللهُ بِهِ الكُفْرَ» (مسند احمد:16957)

”اس دین کی بات وہاں تک پہنچے گی جہاں تک رات اور دن ہوں روئے زمین پر، کوئی کچا یا پختہ گھر ایسا نہیں رہے گا جس میں اس دین کی بات نہ پہنچے، چاہے کوئی عزت سے قبول کرے یا ذلت اور رسوائی سے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کے ذریعہ عزت اور سرفرازی عطا کرے گا اور کفر کے ذریعہ پستی اور نکبت۔“

اس وقت نواب سکندر بیگم والی بھوپال والدہ شاہجہاں بیگم کے سفر نامہ حج کے متعلق کچھ کہنا چاہیں گے، سفرناموں کی تاریخ بڑی قدیم ہے، ان کی وساطت سے قوموں کے عروج و زوال، تہذیب و ثقافت، معیشت و معاشرت، عقائد و عبادات اور اخلاق و عادات کا پتہ چلتا ہے اور پھر یہ سفر نامہ اگر بلاد حرمین کا ہو تو اس میں مذہبی عقیدت بھی شامل ہو جاتی ہے، حجاج بیت اللہ اور زائرین مقامات مقدسہ کے مختلف اوقات میں سفر نامے منظر عام پر آتے رہے، ان قدیم سفرناموں میں نواب سکندر بیگم کا ڈیڑھ سو سال قبل مرتب ہونے والا سفر نامہ کئی حیثیتوں سے اہمیت رکھتا ہے، اس سرگزشت کو مرتب کرنے والی ایک دین پسند خاتون حکمران ہے، انہوں نے 6 جنوری 1864ء بمبئی کی بندرگاہ سے ایک بڑے قافلہ اور شاہی وقار کے ساتھ سفر کا آغاز کیا، 23 جنوری جدہ پہنچیں۔ 10 جون 1864، بسلامت واپس پہنچ گئیں، یہ روداد نامہ حج کے عنوان سے پہلی بار شائع ہوئی ہے۔

اصل مخطوطہ یونیورسٹی آف لندن سنٹر فار ایشین اسٹڈیز سے حاصل کیا گیا جو ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے، اس قلمی نسخہ پر تاریخ 1262ھ مطابق 1883ء درج ہے۔ اس کی زبان اور اسلوب تحریر قدیم ہے لیکن مشہور مصنف زیف سید جو اردو اور انگریزی میں مہارت رکھتے ہیں، ان کی تسہیل اور حواشی سے قارئین کے لیے سہولت ہوگئی، اس کے لیے انہوں نے عرق ریزی سے کام لیا۔ بک کارنر جہلم پاکستان نے 158 برس بعد اس کو زیور طباعت سے آراستہ کیا، ہمیں جہلم ہی کے عالم دین مولانا حافظ حبیب الرحمن سابق ناظم اعلی جمعیت اہل حدیث برطانیہ نے اس کی اطلاع دی بلکہ چند نسخے منگوائے اور ہمارے ہر دلعزیز بھائی مولانا شفیق الرحمن شاہین کی وساطت سے راقم تک یہ گرانقدر نسخہ پہنچا۔ فجزاھم اللہ خیراً

یہ صرف ایک روحانی سفر کی داستان نہیں بلکہ ایک باشعور زیرک ملکہ کا عرب معاشرہ کا باریک بینی سے مشاہدہ اور بے لاگ تنقیدی جائزہ ہے کہ انیسویں صدی کے حجاز کا سیاسی و حکومتی نظام، حاجیوں کو پیش آنے والے مسائل و مشکلات، جدہ، مکہ اور مدینہ کے پر خطر راستے، چوری ڈکیتی اور لوٹ مار کی کیفیت پڑھ کر عربی کہاوت کی عملی تصویر دیکھنے میں آئی کہ

"الذاهب للحج مفقود والعائد منه مولود."

”حج کے لئے روانہ ہونے والا خود کو احباب اور فیملی سے گم سمجھے اور اگر بحفاظت واپس لوٹے تو جیسے اس

کا دوبارہ جنم ہوا ہو۔"

حتیٰ کہ ڈیڑھ سو سال پہلے تک شعائر مقدسہ ، منیٰ، مزدلفہ ، عرفات بھی لوٹ مار کرنے والوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں رہتے ، مہینوں کا سفر کر کے دشوار گذار پُر خطر راستے طے کر کے یہاں پہنچنے والے حجاج حدود حرم میں بھی خطرات میں گھرے رہتے۔ اس کا اندازہ اس سفر نامہ کی ایک درد بھری تلخ فصل سے لگایئے کہ زر کثیر خرچ کر کے وفد کبیر کے ساتھ پہنچنے والی خاتون شدید اشتیاق کے باوجود مدینہ منورہ نہیں جا سکیں، کہتی ہیں کیونکہ قرآن مجید کا حکم ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾

"خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

جبکہ مدینہ جانا نہ فرض ہے، نہ واجب، لہٰذا حج پورا کر کے بھوپال لوٹنا قرین مصلحت ہے ورنہ جان جوکھم میں ڈالنے کی حماقت ہوگی۔

نواب سکندر بیگم بھوپال (1818-1868ء) کا شمار برصغیر کی چندگنی چنی حکمران خواتین میں ہوتا ہے۔ انہیں سیاسی بصیرت، انتظامی اہلیت اور توانا شخصیت کے باعث تاریخ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے اور ان کے دور کو بھوپال کی تاریخ کا سنہرا دور کہا جاتا ہے۔ سکندر بیگم نے عملی سیاست اور انتظام حکومت میں براہِ راست حصہ لیا۔ انگریز بھی ان کی صلاحیتوں کے قائل تھے اور انہیں نائٹ ہیڈ کے خطاب سے نوازا۔ وہ سلطنت برطانیہ میں ملکہ وکٹوریہ کے بعد دوسری خاتون نائٹ تھیں۔ 1864ء میں انہوں نے حج کیا جو اس لحاظ سے غیر معمولی واقعہ ہے کہ اس سے قبل ہندوستان کے کسی حکمران یا نواب نے حج نہیں کیا تھا۔ نواب سکندر نے وطن لوٹنے کے بعد اس سفر کی ایک مفصل اور دلچسپ سرگزشت لکھی۔

یہ سفر نامہ اُن کی باریک بینی، طرز حکمرانی سے دلچسپی اور مشاہدے کی گہرائی کا ثبوت ہے۔ نواب سکندر بیگم ایک اصلاح پسند اور اپنے زمانے سے عشروں آگے کی سوچ رکھنے والی خاتون حکمران تھیں، جنہیں برصغیر کی خواتین کے لیے رول ماڈل قرار دیا جا سکتا ہے۔

ملکہ بھوپال نواب سکندر بیگم نے مکہ مکرمہ میں جو کچھ حالات دیکھے اور انہیں پتہ چلا کہ عثمانی خلیفہ انتظامات اور صفائی کے لیے خطیر رقم دیتے ہیں، پھر بھی یہ حال۔ انہوں نے متعلقین سے کہا:

"تیس لاکھ روپیہ سلطانِ روم حرمین شریفین کے خرچ کو دیتا ہے، نہ تو صفائی شہر کی ہوتی ہے اور نہ بندو بست عملہ حرمین شریفین کا ہوتا ہے۔ میرا داماد اور لڑکی ریاست بھوپال کا بندوبست کر لیں گے، سلطان روم یہی تیس لاکھ روپیہ مجھ کو دیویں، دیکھو میں اس تیس لاکھ روپیہ میں کیسی صفائی شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منور کی کروں اور بندوبست عملہ حرمین شریفین اور شورش بدوؤں راستہ مدینہ منورہ کا کروں کہ سلطان روم کو بھی معلوم ہو کہ پشت ہا پشت سے یہ نمک حرام روپیہ کھاتے ہیں اور کوئی شے درست نہیں کی اور اس نے چند روز میں درست کر دیا۔"

زیارت مدینہ منورہ کے لیے نہ جانے کے اسباب

1۔ جہاز بھی نہیں اور نہ ہی ذرائع حمل و نقل کی سہولت ہے۔

2۔ راستہ کی خبر نہیں کہ کدھر ہے اور کدھر کو جاتا ہے۔

3۔ زبان عربی اور بدوؤں سے واقف نہیں کہ یہ کیا کہتے ہیں اور کیا کریں گے۔

4۔ فوج نہیں۔ مسافروں کی حفاظت کے لیے۔

5۔ یہاں کے سردار فوج کا روپیہ ایک تعداد مقرر کر کے لیتے نہیں ہیں، جان آبرو کے خواہاں ہوتے ہیں، کاش اگر مال ہی لوٹ لیتے تو کچھ اندیشہ نہ تھا۔

6۔ بدو راستے میں لوٹ بھی لیتے ہیں، اور قدم قدم پر بخشش طلب کرتے ہیں۔ بصورت نہ دینے بخشش کے خواہاں جان آبرو کے ہوتے ہیں اور خوراک علیحدہ لیتے ہیں۔ پس ایسے زر کثیر کا خرچ کہاں سے لا کر کیا جائے؟

7۔ حاکم کی طرف سے راستہ کا بندوبست کچھ نہیں ہے اور فی اونٹ دور یال کرایہ کے شریف صاحب بدوؤں سے لے لیا کرتے ہیں، اور جب جمع کثیر مدینہ کو جانے کا ہو جاتا ہے، قافلہ حجاج کو اپنے ریال کے منافع کے سبب سے روانہ کر دیتے ہیں۔ پھر جو راستہ میں حجاج پر مصیبت گزرے گزرے، اس کی دادرسی اور داد دہی سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے۔

8۔ یہ ہے کہ قافلہ بھوپال میں مرد کم عورتیں زائد، حفاظت راستہ کی اس کے دشوار ہے۔

8۔ یہ کہ میں نے سنا ہے کہ بدو مدینہ منورہ کو قافلہ جس وقت پہنچا دیتے ہیں، اس وقت بھی بعد پہنچانے قافلہ کے اگر ان کی اور کسی شخصوں میں یعنی ترک وغیرہ یا آپس میں تکرار ہوتی ہے تو دو دو مہینے تلک قافلہ مدینہ منورہ میں مقیم رہتا ہے اور سواری بار برداری کسی کو نہیں دیتے۔ جب ان کی آپس میں صلح ہو جاتی ہے، اہل قافلہ کو سواری اور بار برداری نصیب ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس دور میں مدینہ کا سفر پل صراط کا سفر تھا۔ ان سے صرف گیارہ برس قبل رچرڈ برٹن (1821-1890) نے مکہ سے مدینہ کے راستے پر بدوی ڈاکوؤں کی شورش کے کافی وشافی ثبوت فراہم کیے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ بیگم کا خوف بجا تھا۔

برٹن اپنے حج نامے میں مکہ اور مدینہ کے راستے کو دنیا کے خطرناک ترین راستوں میں سے ایک قرار دیتا ہے۔ اس کی کتاب میں سے چند اقتباسات سے اس دعوے کی وضاحت ہو سکتی ہے:

"مکہ اور مدینہ کے درمیان کا راستہ کبھی بھی بدوؤں کے حملوں سے محفوظ نہیں رہتا۔ کوئی بھی موسم ایسا نہیں گزرتا جس میں کئی جھڑپیں نہ ہوں، جن میں بعض اوقات جانیں بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔"

'بدو پیشہ ور لٹیرے ہیں، وہ مرتے ہوئے انسان اور مرے ہوئے کو بھی لوٹ لیتے ہیں، قافلے سے بچھڑنے والے پر گھات لگا کر حملہ کرتے ہیں، اور مزاحمت کی جائے تو بے رحمی سے قتل کرنے میں ذرا نہیں ہچکچاتے۔"

"ہمارا قافلہ مسلسل ان لٹیروں کے خوف میں رہتا تھا اور ہر رات ہم چوکنی پہرہ داری کرتے اور ہتھیار ساتھ رکھ کر سوتے تھے۔"

"یہ بہت ہی شاذ و نادر خوش نصیبی ہوتی تھی کہ حاجیوں کا کوئی قافلہ مکہ سے مدینہ کے درمیان لوٹ مار سے بچ نکلے۔"

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ بیگم سکندر بیگم کا فیصلہ محض احتیاط نہیں، بلکہ مکمل زمینی حقیقت پر مبنی تھا۔ ایک بار پھر مدینہ نہ جانے کا فیصلہ ان کی انتظامی سوجھ بوجھ، منطقی سوچ اور مشکل فیصلہ کر گزرنے کی صلاحیت کا بھی عکاس ہے۔

نواب سکندر بیگم نے اس سفر کے دوران حجاز کی انتظامی بدحالی، بدعنوانی اور حاجیوں پر ظلم و ستم کا کھل کر مشاہدہ کیا۔ شریف اور پاشا کی بدانتظامی اور رشوت ستانی پر سخت تنقید کی اور عثمانی ترکوں کو امن قائم نہ رکھنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ انہوں نے لکھا کہ حجاز میں نو آبادیاتی دور میں ہندوستانی حاجیوں پر ہونے والے مظالم ناقابل برداشت ہیں اور قبائل ریاستی عمل داری کو چیلنج کر رہے ہیں۔

حج کرنے کے تین سال بعد سکندر بیگم 30 اکتوبر 1868ء کو گردوں کی خرابی کے باعث وفات پا گئیں۔ وہ اپنے پیچھے نا قابل فراموش کارناموں اور پیچیدہ وراثت کا ایک باب چھوڑ گئیں۔ بلاشبہ وہ جدید بھوپال کی معمار اور ایک ایسی حکمران تھیں جن کی بصیرت، محنت اور عملی حکمت عملی نے بھوپال کو ایک مستحکم، خوشحال اور بہترین طور پر منظم ریاست میں ڈھال دیا۔

ان تلخ و ترش حقائق کی روشنی میں جس کا اکثر قدیم سفرناموں میں ذکر ملتا ہے، آج کی اگر سہولتوں کا جائزہ لیں تو یہ سفر روحانی سکون کے ساتھ ظاہری طور پر تفریح اور ہالیڈیز کا منظر پیش کرتا ہے اور آئے دن ان میں اضافہ ہو رہا ہے، بلا شک و شبہ حکومت سعودی عرب کا بڑا کارنامہ ہے، گزشتہ ایک سو سال سے یعنی جب سے سعودی حکومت کی داغ بیل رکھی گئی اس وقت سے آج تک مزید اضافہ کے ساتھ سہولتیں جاری ہیں، نواب سکندر بیگم کے لیے مکہ سے مدینہ کا راستہ کٹھن اور پُر خطر تھا، آج کی برق رفتار ٹرین کے ذریعہ یہ محض دو گھنٹوں کی مسافت ہے، کوئی جدہ ایئر پورٹ سے بذریعہ جہاز جانا چاہے تو چند منٹوں کا فاصلہ ہے اور عام بسوں اور ٹیکسی سے چھ سات گھنٹوں کا یہ سفر ہے، مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے نہ ڈاکوؤں کا خطرہ کہ قافلے لوٹ لئے جائیں گے اور نہ ہی ایام حج کی ڈکیتی کا اندیشہ۔

حرمین شریفین کی توسیع کا پروجیکٹ جو ملک فہد بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے دور میں کئی ارب ڈالر کی لاگت سے شروع ہوا اس کے مکمل ہونے کے بعد مسجد حرام میں دس لاکھ سے زیادہ نمازی ایک وقت میں اور مسجد نبوی میں بھی اتنی ہی تعداد میں نمازیں ادا کر سکتے ہیں، ذرائع حمل و نقل کی سہولتوں کے سبب زائرین کی آمد و رفت اس کثرت سے ہونے لگی ہے کہ سال کے عام دن بھی ایام حج کے ابتدائی دنوں کا منظر پیش کرتے ہیں، اسی طرح کا ہجوم، چہل پہل سال بھر جاری رہتی ہے۔ رمضان کا منظر روحانی اور ظاہری اعتبار سے اپنے اندر خاص کشش رکھتا ہے، حرمین شریفین کی معیاری صفائی اور اعلیٰ انتظامات سے انکار ممکن نہیں، اللہ تعالی منتظمین کو بہترین صلہ عطا فرمائے اور مزید کی توفیق بخشے۔ آمین

☆☆☆

انتقالِ پُر ملال

برمنگھم میں سائرفیوم، کے قاری سید یعقوب علی کی ہمشیرہ حیدر آباد دکن میں بعمر 66 سال قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ نیک سیرت اور پابند صوم وصلوٰۃ تھیں، وفات کی رات بھی تہجد پڑھ کر نماز فجر ادا کی اور خاموشی سے راہ بقا اختیار کی۔ حیدر آباد میں ان کے ایک بھائی حاجی سید اسماعیل علی شکاگو میں، ایک بھائی قاری سید اسحاق علی اور تمام بہنیں اور اقارب غمزدہ اور دعاگو ہیں کہ اللہ کریم مرحومہ کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں اور خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ آمین

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

☆☆☆

عوام الناس سے بات کرنے کا طریقہ

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ

"مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ ؛ إِلا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةٌ"

"لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کیا کرو، ورنہ ان میں سے بعض کے لیے یہ بات فتنہ بن جائے گی!"

(عمدۃ القاری: 308/2)

☆☆☆



سورۃ الجن ایک مختصر تعارف

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

قرآن مجید کی یہ 72 ویں سورت، مکی تنزیلات میں شمار کی جاتی ہے ؛اس کا نام؛ اوراس میں جو مضامین آئے ہیں اس کا عنوان بھی ”الجن“ ہے، کیونکہ اس میں جنوں کے قرآن مجید کی تلاوت سن کر اپنی قوم کی طرف پلٹنے اور اسلام کی تبلیغ کا واقعہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس سورت میں دو رکوع اور 28 آیات کریمہ آئے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ بازار عکاظ تشریف لے جارہے تھے،راستے میں نخلہ کے مقام پر آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی،اس وقت جنوں کا ایک گروہ اِدھر سے گزر رہا تھا، تلاوت کی آواز سن کر وہ ٹھہر گیا اور غور سے قرآن سنتا رہا۔ اس واقعہ کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی روایت نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”اکثر مفسرین نے اس روایت کی بنا پر یہ سمجھا ہے کہ یہ حضور (ﷺ) کے مشہور سفر طائف کا واقعہ ہے جو ہجرت سے تین سال پہلے 10 نبوی میں پیش آیا تھا لیکن یہ قیاس متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔ طائف کے اس سفر میں جنوں کے قرآن سننے کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس کا قصہ سورۃ احقاف آیات 29-32 میں بیان کیا گیا ہے۔ ان آیات پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس موقع پر جو ”جن“ قرآن مجید سن کر ایمان لائے تھے وہ پہلے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سابق کتب آسمانی پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے برعکس اس سورت کی آیات 2-7 میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر قرآن سننے والے ”جن“ ”مشرکین اور منکرین آخرت و رسالت میں سے تھے۔“ پھر یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ طائف کے اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) کے سوا اور کوئی حضور ﷺ کے ساتھ نہ تھا۔ بخلاف اس کے اس سفر کے متعلق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمارہے ہیں کہ اس میں چند صحابہ آپ کے ساتھ تھے۔ مزید برآں روایات اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اس سفر میں جنوں نے قرآن اس وقت سنا تھا جب حضور (ﷺ) طائف سے مکہ واپس تشریف لاتے ہوئے نخلہ میں ٹھہرے تھے۔ اور اس سفر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ مکہ سے عکاظ تشریف لے جارہے تھے۔ ان وجوہ سے صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سورۃ احقاف اور سورۃ جن میں ایک ہی واقعہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ دو الگ واقعات تھے جو دو مختلف سفروں میں پیش آئے تھے۔

جہاں تک سورۃ احقاف کا تعلق ہے، اس میں جس واقعے کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں روایات متفق ہیں کہ وہ 10 نبوی میں سفر طائف میں پیش آیا تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ دوسرا واقعہ کس زمانے میں پیش آیا،اس کا کوئی جواب ہمیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نہیں ملتا، نہ کسی اور تاریخی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں کب تشریف لے گئے تھے۔ البتہ اس سورت کی آیات 8-10 پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ نبوت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہی ہوسکتا۔(تفہیم القرآن سورۃ الجن)

اوپر گزر چکی تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس سورت ”الجن“ میں جنات کے جس گروہ کے قرآن سننے کا ذکر کیا گیا ہے وہ آنحضور ﷺ کے مکہ سے عکاظ تشریف لیجاتے وقت درمیان میں نخلہ کے مقام پر صبح کی نماز کے دوران پیش آیا تھا، جنوں کے ایک گروہ نے آپکی زبان مبارک سے قرآن سنا اور ایمان لائے، جس کی خبر بذریعہ وحی آپ ﷺ کو دی گئی۔

اور دوسرا اسی طرح کا ایک واقعہ جس کا ذکر سورہ احقاف کی آیات 29 تا 32 میں بیان ہوا ہے یہ 10 دس نبوی میں آپ ﷺ کے سفر طائف سے مایوس(دعوتی فکر وتڑپ دل میں لئے) مکہ لوٹتے وقت اسی ”نخلہ“ کے مقام پر پیش آیا۔ جہاں آپ ﷺ قیام فرما ہوکر، فجر یا عشاء کی نماز میں قرآن کی تلاوت فرمارہے تھے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ ان واقعات کی یوں توضیح “Explanation” فرمائی ہے کہ

”جنوں کے تاثرات کی اطلاع پیغمبر ﷺ کو وحی کے ذریعہ ہوئی:

﴿قُلْ اُوْحِیَ﴾ کے الفاظ سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ جنوں کے جو تاثرات اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں وہ نبی ﷺ کو براہ راست جنوں کی زبانی نہیں بلکہ

وحی الٰہی کے ذریعہ معلوم ہوئے۔ ان کی ایک جماعت نے سرِ راہے کہیں نبی ﷺ کو قرآن پڑھتے سنا جس کی کشش نے ان کے دلوں کو اس طرح موہ لیا کہ وہ اس کے سننے میں ہمہ تن محو ہو گئے اور پھر اس دل پذیر کلام سے اس قدر متاثر ہوئے کہ پلٹے تو اپنی قوم کو اس کی دعوت دینے اٹھ کھڑے ہوئے۔

واقعہ کو سنانے کا مقصد: یہ کس موقع کا ذکر ہے؟ اس کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ اسی واقعہ کی تفصیل ہے جس کا اجمالی ذکر سورۂ احقاف میں ہوا ہے۔ وہاں روایات کی روشنی میں اس کے موقع و محل کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔ جنوں کے ان تاثرات کی آپ کو اس لیے اطلاع دی گئی کہ اپنی قوم کو آپ سنا دیں کہ جس کلام بلاغت نظام کے ساتھ تمہارا سلوک یہ ہے کہ اس کو سن کر تم کانوں میں انگلیاں دے لیتے اور اس کے سنانے والے کے دشمن بن کر اٹھ کھڑے ہوتے ہو درآنحالیکہ یہ کلام تمہارے ہی لیے اترا ہے، اس کلام کو سن کر ذی صلاحیت جنات اس طرح اس کے عاشق ہو جاتے ہیں کہ اپنی قوم کو اس کی دعوت دینے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں حالانکہ وہ براہ راست اس کے مخاطب بھی نہیں ہیں۔ لفظ 'قُلْ' اس بات پر دلیل ہے کہ جنوں کے ان تاثرات سے نبی ﷺ کو اس مقصد سے آگاہ فرمایا گیا کہ آپ قریش کے لیڈروں کو یہ سنا دیں کہ ان کو کچھ غیرت آئے۔ ضمناً اس میں آپ کے لیے تسلی بھی ہے کہ "نااہلوں کی ناقدری سے آپ آزردہ نہ ہوں" (تدبر قرآن)

مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ اس سلسلہ میں یہ لکھتے ہیں، جس کا ذیل میں ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

"قُلْ اُوْحِيَ اِلَيّ سے معلوم ہوا کہ جنات کے جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں آپ نے قرآن سننے والے جنات کو دیکھا نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دی۔ سورۃ جن، کے نزول کے واقعہ کی تفصیل۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ (اس واقعہ میں) رسول اللہ ﷺ نے جنات کو قرآن بالقصد سنایا نہیں بلکہ ان کو دیکھا بھی نہیں۔ بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ شیاطین کو آسمان کی خبریں سننے سے شہاب ثاقب کے ذریعہ روک دیا گیا تھا اور جنات نے باہم مشورہ کیا کہ یہ حادثہ جو ہم پر آسمانی خبروں سے ممنوع ہو جانے کا پیش آیا ہے یہ کوئی اتفاقی بات معلوم نہیں ہوتی دنیا میں کوئی نئی چیز پیش آئی ہے جو اس کا سبب ہوئی اور یہ طے کیا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور ہر طرف میں جنات کے وفود جائیں اور اس کی تحقیق کر کے آئیں کہ یہ نئی چیز کیا پیش آئی ہے۔ ان کا جو وفد تہامہ حجاز کی طرف بھیجا گیا تھا وہ مقام نخلہ پر پہنچے تو وہاں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے۔

جنات کے اس وفد نے جب قرآن سنا تو قسمیں کھا کر آپس میں کہنے لگے کہ واللہ یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے۔ یہ لوگ یہاں سے لوٹے اور جا کر اپنی قوم سے یہ قصہ بیان کیا جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا...﴾ اللہ تعالیٰ نے اس سارے واقعہ کی خبر اپنے رسول ﷺ کو ان آیات میں دیدی۔ (اقتباس معارف مسائل)

قرآن حکیم کی مذکورہ بالا سورت کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات ہمارے ذہن میں رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اپنی بندگی بجا لانے کیلئے پیدا فرمایا ہے اور یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے ہونی چاہئے کہ جن انسان کی طرح ایک بااختیار مخلوق ہے اور اس کو اطاعت و معصیت اور کفر و ایمان کا ویسا ہی اختیار دیا گیا ہے جیسا انسان کو دیا گیا ہے۔

قرآن کے مطالعہ سے یہ بات بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ

جن اپنا ایک مستقل خارجی وجود رکھتے ہیں اور وہ انسان سے الگ ایک دوسری ہی نوع کی پوشیدہ مخلوق ہے۔! ان کی پراسرار صفات کی وجہ سے لوگوں میں ان کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں اور مبالغہ آمیز باتیں عام ہیں، مگر قرآن حکیم نے جنوں کی اصل حقیقت کو واضح انداز میں بیان کر دیا ہے کہ وہ کیا کچھ ہیں اور کیا نہیں ہیں۔

قرآن حکیم کی اس سورۃ کا مطالعہ کرتے وقت یہ سوال 'ہمارے ذہن میں اُٹھ سکتا ہے کہ

نبی کریم ﷺ کی دعوت کے مقابل میں مکہ والوں کی مخالفت ہو رہی ہے اور اس سورۃ "جن" میں جنوں سے متعلق بیان ہو رہا ہے۔ ان دونوں میں کیا ربط و تعلق ہے؟ اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ مشرکین مکہ کے سامنے اس واقعہ کو سنا کر انہیں اس بات پر جھنجوڑنا ہے کہ

"ایک وہ جنوں کا گروہ ہے۔" جو نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک و مطہر سے اللہ کا کلام سنا اور جا کر اپنی قوم سے اس کا ذکر کرتے ہوے، اس بات کا عہد کرتا ہے کہ اب ہم اللہ کے ساتھ (جو ہمارا رب ہے) کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ

(اے مکہ والو) دیکھو وہ جنوں کا گروہ جو راستہ چلتے جب کلام الٰہی سنا تو ایمان لے آیا اور اپنی قوم کو بھی اس کی خبر پہنچایا مگر تم ہو کہ نبی (کریم ﷺ) کی دعوت کا انکار کر رہے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آکر

تمہیں مخاطب فرمارہے ہیں۔ اب تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ تم اپنے رسول ﷺ کی قدر جانو اور آپ پر ایمان لے آؤ۔ غرضیکہ جنوں کے ایمان لانے اور شرک نہ کرنے، اور نبی محترم آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ کا کلام سننے اور اس کے حق ہونے کی تصدیق کے ذکر کے بعد، دوسرے رکوع میں مشرکین مکہ کے سامنے اس اٹل حقیقت کو رکھا گیا کہ میرے حبیب ﷺ کا کام صرف یہ ہے کہ وہ میرے پیغامات تم سارے لوگوں (بندگان خدا) تک پہنچادیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے توحید باری تعالیٰ کی جو دعوت دی جارہی ہے اس کو جو شخص بھی نہ مانے اور شرک سے باز نہ آئے اس کیلئے ابدی جہنم کی سزا ہے۔ یعنی نبی مکرم سرکار دو عالم ﷺ کا کام اور آپ کی ذمہ داری کا تعارف فرماکر، لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے، یہ بتلایا گیا کہ اب تمام لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ کی بات کو یقین کے ساتھ ماننے اور آخرت کے ابدی عذاب سے بچ جائیں۔

پھر آگے کے مضمون میں کفار کی اس خام خیالی کا تذکرہ ہے جو اپنے نزدیک یہ سمجھتے تھے کہ محمد (ﷺ) کے مقابلہ میں ہماری طاقت زیادہ ہے۔ اس سلسلہ میں (انہیں بتادیا گیا کہ) یہ لوگ اپنی روش سے باز نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ جب اس چیز (عذاب) کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ یعنی یہ منکر لوگ اس وقت جان جائیں گے کہ کس کے مددگار کمزور تر ہیں اور عدد کے اعتبار سے کس کی جماعت کم ہے۔ ہاں! یہ وعدہ عن قریب ہے یا اللہ نے اس کی مدت دراز کر رکھی ہے.... بحر حال یہ واقع ہونے والی چیز برپا ہو کر رہے گی۔۔۔۔! جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے مخبر صادق نبی مکرم ﷺ کے ذریعہ تمام تک پہنچادیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ

جن لوگوں کو، نبی ﷺ کا اللہ کی پکار کے لئے کھڑا رہنا اور آپ کی دعوت توحید کی طرف بلانے والی آواز کو سنتے ہی آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑنا وغیرہ آیت 19 اور 20 میں اس کا ذکر کیا گیا، اور اس خام خیالی میں مبتلا رہنا کہ محمد (ﷺ) بے یار و مددگار ہیں اور ان (بے عقل لوگوں) کا یہ گھمنڈ بھی تھا کہ وہ (دستۂ حق کے) مقابلہ میں کثیر التعداد ہیں وغیرہ وغیرہ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ جب وہ بُرا وقت آجائے گا جس کے آنے سے آج محمد رسول اللہ تمہیں آگاہ فرمارہے ہیں اس وقت پتہ چل جائے گا کہ ﴿مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا﴾ (آیت 24) "کس کے مددگار کمزور ہیں، اور کس کا جتھا تعداد میں کم ہے۔"

نبی کریم ﷺ کی دعوت میں تصور آخرت کو پرزور انداز میں پیش کیا جاتا رہا، اس کے جواب میں کفار ومشرکین مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ غالباً ان کے اس مذاق کے جواب میں اس سورۃ میں فرمادیا گیا کہ آپ ﷺ فرمادیجئے کہ اس وقت کا آنا یقینی ہے مگر اس کے آنے کی تاریخ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

اس کی مزید وضاحت Explain further، کرتے ہوئے، علامہ محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور تفسیر میں یوں توضیح فرمائی ہے۔

آخر میں اس حقیقت کو بیان فرمادیا کہ

علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے مخصوص ہے جب تک وہ کسی کو غیب کا علم نہ دیں اسے کوئی جان نہیں سکتا اور یہ علم غیب جنّوں، ساحروں اور کاہنوں کو نہیں تعلیم کیا جاتا۔ یہ نعمت فقط اُن رسولوں کو مرحمت فرمائی جاتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس شرف کے لئے چُن لیا کرتا ہے۔" (ضیاء القرآن: ج 5 "تعارف سورہ جن")

سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو علم کامل کے لئے خاص بتلایا ہے کے جتنی بھی چیزیں خواہ وہ پہاڑ ہوں یا ذرے ہوں، درخت ہوں یا ان کے پتے یا ہر بارش سے گرنے والے قطرے؛ غرضیکہ جہاں جہاں بھی جو کچھ ہے ان سب کے اعداد شمار اسی کے علم میں ہونے کے ساتھ اسی کے قابو میں ہے! اسی کی یاد دہانی کروائی جارہی ہے کہ ہر چیز حق سبحانہ تعالیٰ کی گنتی میں ہے۔

﴿وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ کی تشریح فرماتے ہوئے مولانا صلاح الدین یوسف علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "کیونکہ وہی عالم الغیب ہے، جو ہوچکا اور آئندہ ہوگا، سب کا اس نے شمار کر رکھا ہے۔ یعنی اس کے علم میں ہے۔"

(احسن البیان) (مستفاد کتب: عروۃ الوثقی، تفسیر جلالین، تفسیر بغوی اور احکام القرآن: امام ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ)

☆☆☆

مبارک عیدِ قرباں!

مبارک عیدِ قرباں کا مہینہ پھر سے ہے آیا
خوشی اور شادمانی سے بھرا اب جام ہے لایا
پیمبرؑ کی وہ سنت بھول بیٹھے تھے جسے ہم سب
اسی سنت کو زندہ کرتا ہے دن عیدِ قرباں کا
جزائے خیر ہے ہر اک بُنِ موئے ذبیحہ پر
یہی وہ ماہ ہے جس نے دلِ مؤمن کو گرمایا
نہ کیوں اب شادماں ہو جائیں فقراء بھی یتامیٰ بھی
کہ ان پر سایہ افگن ہو رہی ہے رحمتِ مولا
نہ بھولے اپنے پالنہار کو جوشِ مسرت میں
مسلماں کے لیے سب سے فزوں تر مرضیٔ مولا
ہمیں یاد آئے ابراہیمؑ، ثاقب عیدِ قرباں سے
ہماری جانچ کی خاطر خدا نے دن یہ دکھلایا

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب ڈڈلی

☆☆☆



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ﴾ (سورۃ الأنبياء: 19)

اللہ رب العالمین، مالک الملک، خالقِ کل، عالم کل کی تعریف و ثناء۔ اس کے شکر اور اس کی حمد کے بعد، رسول اکرم ﷺ، جو ہادیٔ کائنات، رہنما عالم ہیں، اللہ کے سچے اور آخری نبی ہیں، ان پر درود و سلام اور صلوۃ و تسلیم کے بعد۔

قرآن کریم کی جو آیت کریمہ ابھی میں نے خطبہ مسنونہ کے ساتھ پڑھی، اس میں رب العالمین کا ارشاد ہے کہ جو اس کے یعنی اللہ کے پاس یا قریب ہیں، یعنی مقرب فرشتے، وہ بھی اس کی عبادت کرنے سے، اس کے سامنے جھکنے سے، عاجزی کرنے سے تکبر نہیں کرتے اور نہ وہ عاجزی اور عبادت کرتے ہوئے تھکتے ہیں، اسی طرح ان فرشتوں کے بارے میں دوسرے مقام پر فرمایا کہ مشرکوں اور کافروں نے زیادتی کرتے ہوئے انہیں اللہ کی بیٹیاں کہا، حالانکہ وہ کیا ہیں؟ فرمایا:

﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ﴾ (سورۃ الأنبياء: 26)

اللہ کے بندے ہیں، بس ان کی عزت ہے اللہ کے ہاں، لیکن وہ بندے ہیں۔

یہ تو فرشتوں کی بات تھی، انبیاء کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ وہ عاجزی کرنے والے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال دی، فرمایا:

﴿لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ﴾ (سورۃ النساء: 172)

مقرب فرشتوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام، جن کو غلطی کرنے والوں نے اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا، وہ بھی اس کی عبادت اور اس کے سامنے عاجزی کرنے سے گھبراتے نہیں ہیں، تھکتے نہیں ہیں، اس کا انکار نہیں کرتے۔ آج ہم بات کر رہے ہیں تکبر سے بچنے کی اور یہ سلسلہ رمضان سے پہلے شروع ہوا تھا، ابھی تک جاری تھا۔ درمیان میں رمضان کے اپنے موضوعات آ گئے تھے۔

رمضان سے پہلے ہم ان صفات، خوبیوں اور اچھائیوں کا ذکر کر رہے تھے جو ہمارا دین ہمارے اندر بطور مسلمان پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد تمہارے اندر یہ صفات ہونی چاہئیں، جیسے صبر ہے، شکر ہے، توکل ہے، اللہ پر بھروسہ ہے، اللہ سے اُمید ہے، اس کا ڈر ہے۔ یہ ساری باتیں ان صفات میں شامل ہیں، جو ہمارا دین، ہمارے اندر چاہتا ہے اور انہی میں تکبر سے بچنے کی صفت بھی ہے کہ تم تکبر سے بھی بچو، نبی محترم ﷺ کی دعا ہوتی تھی:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا» (مسند بزار: 315/10)

”یا اللہ! لوگ بے شک مجھے بڑا عظیم سمجھتے رہیں، لیکن میں اپنی نظروں میں چھوٹا رہوں۔“

کیسی عجیب دعا ہے! یا اللہ مجھے اپنی نظروں میں چھوٹا بنا دے، لوگ بے شک مجھے بڑا کہیں اور بڑا سمجھیں کہ آپ ہیں بھی بڑے، لیکن اپنے طور پر عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں۔ صرف دعا نہیں، عمل بھی اسی پر تھا، عاجزی اختیار کرنا اور تکبر سے بچنا۔ حدیث میں ایک اور جگہ فرمایا: «لَا تُطْرُونِي، كَمَا أَطْرَتْ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ، وَرَسُولُهُ» (صحیح بخاری: 3445)

یعنی میرے مقام کو سمجھنے، بیان کرنے میں مبالغہ نہ کرو، غلو نہ کرو۔ افسوس! یہ ارشادات ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کے اندر وہ طبقہ موجود ہے، جس نے آپ کو اس مقام سے اٹھا کر، جو اللہ نے آپ کو دیا تھا، حالانکہ وہ مخلوق میں سب سے بڑا مقام ہے، اس مقام سے اٹھا کے اللہ کی ذات کے ساتھ ملا دیا۔ اس کی کیا ضرورت تھی؟ نبی کریم ﷺ کی محبت، آپ کی عظمت کا دلی اعتراف ایمان کا لازمی حصہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم توحید پر کلہاڑے اور تیشے چلانا شروع کر دیں۔ توحید اپنی جگہ پہلا عقیدہ ہے، اسلام کا، اور ہر دین کا، جو اللہ کی طرف سے آیا۔ آپ پر وحی آتی ہے، آپ نبی تھے، لیکن ہر چیز جاننے والے نہیں تھے، عالم کل اور عالم غیب نہیں تھے۔ آپ کی سیرت اور آپ کی تعلیم نورانی ہے، لیکن آپ کا وجود بشری تھا۔ سیدھی سیدھی باتیں قرآن میں ان پر کھول کر وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، پھر بھی لوگ بھٹک گئے، گمراہ ہو گئے اور جو سیدھے راستے پر ہیں، ان کو طعنہ دیتے ہیں کہ تم حضرت کی وہ عزت نہیں کرتے اور ان سے محبت نہیں کرتے۔ بالکل جھوٹ ہے، بالکل غلط۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُطْرُونِي، كَمَا أَطْرَتْ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ»”جس طرح نصاریٰ نے، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا، انہیں حد سے بڑھا دیا، بشر اور نبی ہونے کے درجے سے اٹھا کر اپنے عقیدے میں انہیں خدا بنا دیا، خدا کا بیٹا بنا دیا، تم میرے ساتھ اس

طرح نہ کرنا، مسلمانو! میرے ساتھ یہ کام نہ کرنا۔" مزید وضاحت کرتے ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا:«فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ، وَرَسُولُهُ»

" میرے بارے میں کہنا ہے تو کہو کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، اللہ کے بندے پہلے ہیں اور اس کے بعد اللہ کے رسول بھی ہیں، لیکن رسول ہونے کے باوجود اللہ کے بندے ہیں۔" ایک مستند روایت میں ہے:

مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِي اللَّهُ. (مسند أحمد:12251)

"میں ہر گز یہ نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مرتبے سے، اس مقام سے اوپر اٹھادو، جو اللہ نے مجھے دیا ہے۔"

آپ مزید کہتے ہیں:«أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَرَسُولُهُ» (مسند احمد:12251)یعنی "میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں اور اللہ کا رسول بھی ہوں۔"

رکوع کے بعد نماز میں جہاں اور دعائیں ہیں، وہاں آپ کی ایک دعا یہ بھی ہے، جس میں مسلمان اللہ کی حمد اور تعریف کرتے ہیں:

«أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ» (صحیح مسلم:477)

"یااللہ جو بھی تعریف کرے، اس تعریف کا سب سے زیادہ حقدار تو ہے۔"

الفاظ یہ ہیں:«أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ، وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ.» (صحیح مسلم:477)

"تیرا بندہ تیری جو بھی تعریف کرے، تو اس کا حقدار ہے اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔"

یہ آپ کی عاجزی تھی، تکبر سے بچنا تھا۔ آپ مجلس میں آتے، یا نماز کے لیے آتے، یا باہر کہیں جاتے، تو کوئی ہٹو بچو کی صدائیں نہیں ہوتی تھیں۔ آپ آرام سے باقی لوگوں کی طرح چلتے۔ ایک شخص نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا، وہ آپ کے قدرتی رعب کی وجہ سے کانپنے لگا۔ آپ نے اسے تسلی دی اور اپنی عاجزی کا اظہار کیا، فرمایا: "ڈرتے کیوں ہو؟ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، اور ایسا انسان ہوں کہ جس کی ماں غریب ماں تھی، میں ایک غریب ماں کا بیٹا ہوں۔"

یہ عاجزی ہے، میں غریب ماں کا بیٹا ہوں، اتنی غریب تھی کہ اسے تازہ گوشت کم ہی میسر آتا تھا۔ کبھی ملتا تو اسے دھوپ میں سکھاتی تھی، ہم سوکھا ہوا، پرانا گوشت کھایا کرتے تھے۔ تسلی دینے کے لیے یہ الفاظ آپ نے فرمائے۔ اللہ کے ایک اور پیغمبر، حضرت سلیمان علیہ السلام، اللہ نے دنیاوی طور پر بھی جنہیں جو مرتبہ دیا وہ اور کسی کو نہیں ملا۔ اللہ کے اس نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا تھی:﴿وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي﴾(سورۃ ص:35)

" مجھے ایسی بادشاہی اور ایسی سلطنت اور ایسی حکمرانی ملے، جو میرے بعد کسی کو بھی نہ ملے۔"

ایک دعا تھی، ایک خواہش تھی جو اللہ نے پوری کی اور انہیں پھر ایسا اقتدار اور اختیار دے دیا۔ بے شمار انسانوں پر بھی، جنوں پر بھی، پرندوں پر بھی، درندوں پر بھی، ان سب کا حاکم بنا دیا، ان سب کو مسخر کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دنیاوی بڑائی تو تھی اور پھر روحانی بڑائی بھی تھی کہ وہ اللہ کے عظیم الشان پیغمبر اور رسول تھے لیکن ان کی عاجزی کا عالم یہ تھا کہ لکھاہے:"لَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ تَخَشُّعًا." (الزھد ابن المبارک 47)

اللہ کے ڈر سے اور عاجزی کے اظہار کے طور پر وہ آسمان کی طرف احتراماً نظر بھی نہیں اٹھاتے تھے کہ اوپر میرا اللہ ہے۔ یہ عاجزی نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی موجود تھی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ہوئے، اس سے پہلے وہ عام آدمی کی طرح، ثواب حاصل کرنے کے لئے کسی ضرورت مند کے گھریلو کام کیا کرتے تھے۔ ایک بوڑھی عورت تھی، جس کی بس ایک بیٹی تھی اور آدمی گھر میں نہیں تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی بکریوں کا دودھ دوہنے کی خدمت اپنے ذمے لے لی، جب انہیں خلافت ملی تو اس بچی نے اپنی ماں سے کہا: "اماں! اب ہماری بکریوں کا دودھ کون نکالے گا؟" جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا، تو آپ نے فرمایا: اسے جاکے تسلی دو کہ خلیفہ ہو گیا ہوں تو کیا ہوا، ابھی تک میں ابو بکر ہوں، اللہ کا بندہ ہوں تو یہ خدمت میں ہی انجام دیا کروں گا، کوئی اور نہیں کرے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن منبر پر آئے اور صرف اتنا ہی کہا کہ کوئی وقت تھا، کوئی دن تھا کہ میں معمولی اجرت پر اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ یہ کہہ کر آپ منبر سے اتر آئے۔ لوگوں نے کہا کہ آج صرف اتنا ہی وعظ ہو گا؟ انہوں نے فرمایا: "اتنا ہی کافی ہے۔" اور یہ وعظ میں نے تم کو نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو کیا ہے۔" اور اس لئے کیا ہے کہ میرے دل میں آج خیال آیا کہ کتنی وسیع سلطنت کا میں مالک ہوں، کتنے بڑے ملک کا میں حکمران ہوں اور کتنے لوگ میرے ماتحت ہیں۔ شیطان نے میرے ذہن میں تکبر کی تھوڑی سی بات ڈالی، اس کا علاج میں نے علی الاعلان یہ اعتراف کر کے کیا کہ میرا ماضی یہ ہے۔ میں نہ کوئی پیدائشی امیر ہوں اور نہ ہی پیدائشی حکمران۔ میرا ماضی یہ ہے کہ میں ایک معمولی آدمی تھا اور یہ اسلام کی برکت ہے، جس نے مجھے یہاں تک پہنچایا اور بلند کیا کہ ایک اور موقع پر بھی انہوں نے فرمایا کہ" نَحْنُ قَوْمٌ أَعَزَّنَا اللَّهُ بِالْإِسْلَامِ" (مستدرک حاکم:214)

ہم وہ قوم ہیں، ہم وہ لوگ ہیں کہ ہم بے عزت، بے نام اور گمنام لوگ تھے۔ ہم بکھرے ہوئے اور آپس میں لڑنے والے تھے۔ دنیا کی برادری میں اور قوموں کی صف میں ہماری کوئی عزت نہیں تھی۔ ہمیں عزت

اسلام نے دی ہے۔ اپنے حال، اپنے ماضی کو یاد رکھنا کہ میں کیا تھا اور کیا ہوں، یہ ایک اچھے انسان اور اچھے مسلمان کی صفت اور امتیازی بات ہے۔

جیسے محمود کے غلام یا آزاد کردہ غلام ایاز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ محمود غزنوی اس کی اطاعت، فرمانبرداری، اچھائی اور نیکی کی قدر کرتا تھا اور اسے عزت کا مقام دیتا تھا۔ بعض لوگ اس سے حسد کرتے تھے اور جلتے تھے کہ یہ غلام جو کل تک غلام تھا، بادشاہ نے اسے اتنا بڑا مقام دے دیا ہے۔ وہ تاک میں رہتے تھے کہ اس کی کوئی کمزوری پکڑ کر بادشاہ کے کان بھریں اور اسے بد ظن کر دیں۔

ایک موقع پر کسی نے کہا کہ اس کی کچھ عادتیں بڑی عجیب ہیں۔ وہ بعض اوقات اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر لیتا ہے اور کافی دیر تک باہر نہیں نکلتا۔ لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید وہ کوئی سازش کر رہا ہے یا بادشاہ کے خلاف کوئی تیاری کر رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا: ”میں خود اس سے پوچھ لوں گا کہ وہ کیا کرتا ہے۔“ جب اسے بلایا اور پوچھا گیا تو اس نے کہا: ”یہ بتانے والی بات نہیں ہے، لیکن اب آپ نے پوچھا ہے تو بتانا پڑے گا۔ اگر آپ چاہیں تو خود جا کر دیکھ لیں کہ کمرے میں کیا ہے۔“ بادشاہ اور دیگر لوگ جب کمرے میں گئے تو وہاں ایک پرانا لباس اور ایک کھُرپا پڑا ہوا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا: ”یہ کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”یہ میرا ماضی ہے۔ آپ نے مجھے شاہی لباس عطا فرمایا، یہ آپ کی مہربانی ہے، لیکن میرا اصل لباس یہی پرانا لباس ہے۔ جب بھی میرے دل میں تکبر آتا ہے کہ میں بہت بڑا آدمی بن گیا ہوں تو میں اس کمرے میں آتا ہوں، اپنا پرانا لباس پہنتا ہوں اور کھُرپا اپنے سامنے رکھتا ہوں تاکہ مجھے یاد رہے کہ میں اسی کھُرپے سے گھاس کاٹا کرتا تھا۔“ اپنا ماضی یاد رکھتا ہوں تاکہ میرے دل میں تکبر نہ آئے۔

بادشاہ نے یہ سن کر اطمینان کا اظہار کیا اور مخالفین سے کہا: ”تم خواہ مخواہ اس پر اعتراض کر رہے تھے، یہ تو ایک حقیقی انسان ہے۔“

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل بھی تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اموی خلیفہ مروان کے عہد میں مدینے کے حاکم تھے، لیکن اس کے باوجود وہ لکڑیاں خود مدینے کے آس پاس کے جنگل سے کاٹ کر لاتے تھے اور اپنے گھر کے چولہے کے لیے استعمال کرتے تھے، لکھا ہے:

" وَيَمُرُّ أَبُو هُرَيْرَةَ فِي السُّوقِ، يَحْمِلُ الْحَطَبَ عَلَى ظَهْرِهِ" (البداية و النهاية: 8/ 114)

بازار سے خرید کر عام آدمی کی طرح اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتے تھے۔ اگر راستے میں بھیڑ ہوتی اور راستہ تنگ ہوتا تو وہ خود آواز لگا کر کہتے:

”او بھائی، اپنے امیر کو راستہ تو دے دو، اس نے سر پر لکڑیاں اٹھائی ہوئی ہیں۔“

یہ عاجزی تھی، تکبر سے بچنے کی روش تھی، جس کی مثال ان عظیم شخصیات نے قائم کی۔

ایاز کے بارے میں فارسی میں ایک مشہور قول بھی ہے، جو اسی حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔

جب میں یہاں بیٹھتا ہوں اور لباس پہن کے کھُرپا سامنے رکھتا ہوں تو اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتا ہوں: ”ایاز! قدر خود بشناس، ایاز! اپنی اصل قدر کو پہچانو کہ تمہاری اصل قدر کیا ہے، تمہاری اصلیت کیا ہے۔ اس کو پہچانو، اس کو یاد رکھو۔“

بات یہ ہے کہ قیامت کے دن تو سب کو بندہ بن کے پیش ہونا ہے۔ قرآن نے کہہ دیا:

﴿وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ﴾ (سورة النمل: 87)

سب بندے بن کر آئیں گے، سب عاجز، بے بس ہو کر اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ بڑے سے بڑے، کوئی بادشاہ تھا، کوئی جرنیل تھا، کوئی فاتح تھا حتیٰ کہ کوئی نبی تھا، سب اللہ کے عاجز بندے بن کے پیش ہوں گے۔ دوسرے مقام پر بھی فرمایا:

﴿إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا﴾ (سورة مريم: 93)

”زمین و آسمان میں جو کوئی ہے، وہ اللہ کے سامنے پیش ہو گا، تو بندے یعنی غلام کی حیثیت سے پیش ہو گا، اس کی اور کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔ سب بندے ہیں اور بندہ ہی بن کے رہنا چاہیے، بندے اپنے آپ کو سمجھ کے رہنا چاہیے۔“

نبی اکرم ﷺ کی بندگی، تکبر سے بچنے کی باتیں دو تین پہلے میں بیان کر چکا ہوں۔ آخر میں بھی برکت کے لیے آپ ہی کی بات کرتے ہیں۔ آپ کی زندگی کے دو واقعات بڑے یاد رکھنے کے قابل ہیں، دو بڑے عظیم الشان ہیں اور قابل ذکر ہیں۔

آپ کے دنیاوی عروج کا سب سے بڑا دن فتح مکہ کا دن تھا اور بھی خوشیاں اللہ نے آپ کو عطا فرمائیں۔ جنگ بدر میں کامیابی، جنگ حنین اور دوسری جنگوں میں فتح اور کامیابی، عرب بھر میں دین کا آپ کی زندگی ہی میں پھیل جانا، سب چیزیں اپنی جگہ۔ لیکن جو Turning Point آپ کے Career میں یا زندگی میں آیا وہ فتح مکہ ہے۔ وہ تمام لوگ جو آپ کو ستانے والے تھے، آپ کے ساتھیوں پر ظلم کرنے والے تھے، وہ مغلوب اور مفتوح ہو کر آج آپ کے سامنے پیش ہیں، اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ شخصیت، جو تقریباً آٹھ دس سال پہلے مکے سے نکلنے پر مجبور کی گئی اور اس حالت میں کہ ایک ہی ساتھی ہمراہ ہے اور وہ بھی چھپتے چھپاتے کہ پیچھے سے تعاقب ہو رہا ہے۔ کبھی غار میں پناہ لیتے ہیں، کبھی کہیں جاتے ہیں، کبھی کہیں نکلتے ہیں۔ پیچھا ہو رہا ہے، خون کے پیاسے تعاقب میں لگے ہیں۔ ان مشکل حالات میں آپ نے مدینے کو ہجرت کی اور کتنا بڑا انقلاب ہے،

کتنی بڑی تبدیلی ہے کہ جب واپس آئے تو ایک نہیں، دس نہیں، دس ہزار جان نثار آپ پر صحیح معنوں میں، لغوی معنوں میں خون چھڑکنے والے، آپ کے پسینے کی جگہ خون بہانے والے، آپ کے ہم رکاب ہیں، آپ کے ساتھ ہیں۔ دشمن مغلوب ہو کر سامنے کھڑا ہے۔ بڑے سے بڑے دشمن بھی سر جھکائے حاضر خدمت ہیں۔ بہت عظیم دن تھا آپ کی زندگی میں۔ لیکن اس وقت بھی آپ کی زبان پہ جو الفاظ تھے، وہ بندگی کے تھے، تکبر سے بچنے کے تھے۔ صرف الفاظ نہیں، تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ جب مکے میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے، تو شان یہ تھی کہ گردن اور سینہ اکڑا ہوا نہیں تھا، تنا ہوا نہیں تھا۔ آپ کی گردن جھکی ہوئی تھی اور اتنی جھکی ہوئی تھی کہ سواری کی لگام کے ساتھ جا کے لگ رہی تھی۔ زبان پر ترانہ کیا تھا، الفاظ کیا تھے؟

«الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَصَرَ عَبْدَهُ» (مسند أحمد:3856)"تعریف اس رب کی" تعریف اپنی نہیں، اپنی جنگی قیادت کی نہیں، اپنے ساتھیوں کی بہادری کی نہیں۔ اپنے ساتھیوں کے تیروں، تلواروں، نیزوں کی نہیں، ان کی بہادری کی نہیں۔

تعریف اللہ کی، شکر اس کا، جس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی۔ اللہ اکبر۔ آپ آج بھی بندے ہیں، آج بھی بندگی کا احساس دل میں ہے۔ تکبر نہیں ہے، بڑائی نہیں۔

اسی طرح آپ کے روحانی عروج کا سب سے بڑا دن کون سا تھا؟ وہ جسے معراج کہتے ہیں۔ آپ کو آپ کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے پہلے بیت المقدس پہنچا کے وہاں نبیوں کی امامت کرائی۔ عملاً بتایا کہ امام الانبیاء کون ہیں اور اس کے بعد خاص سواری عطا ہوئی اور خاص ہمراہی سفر کا، جبرائیل آپ کے لیے بھیجا، جو آپ کو لے کر گیا۔ آسمانوں کی سیر ہوئی، اللہ سے، اس کی شان کے مطابق ملاقات ہوئی، بات چیت ہوئی، تحفے ملے، سورہ بقرہ کی آخری آیات، نماز وغیرہ، یہ تحفے ملے۔ یہ آپ کی روحانی زندگی کا سب سے بڑا دن تھا، معراج کا۔ سب سے بڑی رات یا دن کہہ لیں۔ لیکن اس کا بھی جب اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تو کیسے فرمایا؟ اس کی ابتدا تھی، سفر بیت المقدس، پہلا حصہ سفر کا تو اس کا ذکر کیسے فرمایا؟ قرآن میں آج بھی موجود ہے:﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ﴾ (سورۃ الإسراء:1)

پاک ہے وہ ذات، بلندیاں اس کے لیے ہیں، قدرت اس کی ہے، وہ ذات جو لے کر گئی۔ کس کو؟ اپنے بندے کو۔ فتح مکہ کے دن بھی بندہ ہونے کی بات، معراج کے وقت بھی بندہ ہونے کی بات، آپ نے ہر وقت بندگی کا احساس اپنے اوپر رکھا۔

سبق کیا ملتا ہے؟ کوئی چھوٹا ہے یا بڑا ہے، امیر ہے یا غریب ہے، حاکم ہے یا محکوم ہے، عالم ہے یا عامی ہے، مولوی ہے یا مقتدی ہے، جو بھی ہے، سب کو انکساری اور عاجزی اختیار کرنی چاہیے۔ یہی بندگی اور عبدیت کی روح ہے، بندہ ہونے کا مغز یہی ہے کہ تکبر سے بچو۔ تکبر کیا ہے؟ تکبر کیا کرتا ہے؟ اس کا نقصان کیا ہے؟ یہ حق سے روکتا ہے، ہلاک کرتا ہے، اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے، حدیث قدسی ہے:«الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي» (سنن أبي داود:4090)

"بڑائی میری چادر ہے، جو اس پر ہاتھ ڈالے گا، میں اس کا ہاتھ توڑوں گا اور اس کو سزا دوں گا۔"

بڑائی میری چادر ہے۔ جس طرح کسی حکمران نے چادر اوڑھی ہوتی ہے، کوئی اس چادر کو کھینچے، کوئی اس پر ہاتھ ڈالے، اس کو نوچنے کی کوشش کرے یا اتارنے کی کوشش کرے، تو اس حاکم کے اندر اگر ہمت ہے تو کیا اسے ایسا کرنے دے گا؟ کبھی نہیں کرنے دے گا۔ ایسی گستاخی نہیں کرنے دے گا کہ کوئی اس کی چادر کو اتارے اور نوچے یا کھینچے۔ تو اللہ کہتا ہے کہ بڑائی میری چادر ہے، جو اس پر ہاتھ ڈالے گا، میں اس کا ہاتھ توڑ دوں گا اور اسے اس کی سزا دوں گا۔ اسے پتہ چلے گا کہ اللہ کی بڑائی پر ہاتھ ڈالنے کی کیا سزا ہے۔

بہت سے لوگ ایسے آئے جو اپنی چھوٹائی کو، چھوٹا ہونے کو بھول گئے۔ فرعون، شداد، ہامان اور کئی دوسرے، لیکن بعض کی زندگی میں پھر وہ وقت آیا، جس نے انہیں احساس دلایا کہ وہ کیا ہیں اور کتنے پانی میں ہیں۔ فرعون کو دیکھ لو، اس کی مثال سامنے ہے۔ ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ﴾ (سورۃ یونس: 90)

جب وہ غرق ہونے لگا، پانی میں ڈوبنے لگا، تو پھر اس نے کہا:"میں اپنی بڑائی کا دعویٰ چھوڑ کر، اپنی خدائی کا دعویٰ چھوڑ کر، اس اللہ کو مانتا ہوں جو موسیٰ کا رب ہے۔" آگے سے جواب ملا:

﴿آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾ (سورۃ یونس: 91)

"اب؟ جب مرنے لگے ہو، جب پانی میں غوطے کھا رہے ہو، جب آخری وقت آ گیا ہے؟"

کہ جب وہ غرق ہونے لگا، پانی میں ڈوبنے لگا، تو پھر اس نے کہا کہ میں اپنی بڑائی کا دعویٰ چھوڑ کر، اپنی خدائی کا دعویٰ چھوڑ کر، اس اللہ کو، اس رب کو مانتا ہوں جو موسیٰ کا رب ہے، جس کی معرفت اور جس کی دعوت موسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ آگے سے جواب کیا ملا؟ اب؟ اب جب مرنے لگے ہو؟ جب پانی میں غوطے کھا رہے ہو، جب آخری وقت آ گیا ہے؟ اس سے پہلے تو تم بڑے نافرمان بنے ہوئے تھے، بڑے سرکش بنے ہوئے تھے۔ اپنے آپ کو خدا بنا کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ تم لوگوں سے کہتے تھے،﴿ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ﴾ (سورۃ الزخرف:51)

یہ دیکھ لو، مصر کا بادشاہ تو میں ہوں، اس کی نہریں میرے اختیار میں ہیں اور میرے حکم سے چلتی ہیں۔ پھر مزید تکبر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ ﴿أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ﴾ (سورة الزخرف: 52)

یہ موسیٰ کہ جس کے بارے میں کہا کہ مہین ہے، اس کی تو حیثیت ہی کوئی نہیں۔ ادنیٰ درجے کا بندہ ہے۔ اس کے پیچھے لگتے ہو، اس کی بات مانتے ہو، مجھے دیکھو، میری جلالت کو دیکھو، اس کی بجائے میرے پیچھے لگو۔ یہ جو کہا کرتا تھا، بالآخر اسے بھی آخری وقت میں اقرار کرنا پڑا، اللہ کی بڑائی اور اپنی چھوٹائی کا۔

بندے کو یہ احساس پہلے ہونا چاہیئے اور ساری زندگی رہنا چاہیئے۔ تکبر سے بچنے کا ایک طریقہ، ہم پہلے بات کر چکے ہیں، وہ ہے شکر کہ جتنی بڑائی اللہ نے دی ہے، جتنی نعمتیں اس نے دی ہیں، دنیاوی، دینی یا اخروی، اس پر اللہ کا شکر کریں، دل سے اور زبان سے شکر کریں۔ یہ شکر تکبر کے جذبے کو توڑے گا۔ اسے احساس رہے گا کہ جو کچھ میرا ہے وہ میرا نہیں بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔

اللہ ہمیں شکر گزار بندہ بنائے۔ نبی کریم ﷺ کی وہ دعا جس کا میں ذکر کر رہا تھا، اس میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں: «اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي شَكُورًا، وَاجْعَلْنِي صَبُورًا، وَاجْعَلْنِي فِي عَيْنِي صَغِيرًا، وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيرًا» (مسند بزار:315/10)

یا اللہ! مجھے صبر کرنے والا بندہ بنا، یا اللہ! مجھے شکر کرنے والا بندہ بنا، لوگوں کی نظر میں اگرچہ میں بڑا ہوں، لیکن مجھے اپنی نظر میں چھوٹا بنا کر رکھ۔ اللہ ہمیں صبر اور خاص طور پر شکر کرنے کی توفیق دے اور تکبر سے بچائے۔ تکبر دنیا اور آخرت میں تباہ کرنے والی چیز ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی عمری کی یاد میں

جب ہوا فضلِ خدا اک ہندو 'بانکے رام' پر
بت کدے کو چھوڑ کر آئے رہِ اسلام پر
یہ رسول پاک کا فرمانِ عالی شان ہے
'فطرتِ اسلام پر پیدا ہر اک انسان ہے'
طفل فطرت سیکھتا ہے سایے میں ماں باپ کے
جو یہودی اور نصرانی بناتے ہیں اسے
چوں کہ فطرت پر تھے بانکے حسب فرمان رسول
'دعوتِ حق' کو کیا فوراً دل و جاں سے قبول
ہو گئے بے کار سب ،ترغیب، دھمکی، احتجاج
خانداں دشمن ہوا اور خون کا پیاسا سماج
جاں بچا کر ، چھپ چھپا کر پہنچے وہ دار السلام
ہے جنوبی ہند میں جس کا بہت اونچا مقام
بن کے وہ 'عمری' یہاں سے چل دیے شہرِ نبی
تا کہ بجھ پائے وہاں کچھ ان کی علمی تشنگی
مستحق وہ جامعہ میں ٹھہرے اِس اعزاز کے
بن گئے شاگردِ خاص اَلبانی وبن باز کے
وہ برہمن زاد یوں شمعِ حرم تک آگئے
تیرگی بیزار تھے ، نورِ ہدایت پاگئے
طے کیا علمِ حدیث مصطفیٰ کا یوں سفر
بعد ایم اے کے بنے وہ اک محقق ڈاکٹر
پوجتے تھے باپ دادا جن کے پتھر کے صنم
بت پرستی چھوڑ کر وہ ہو گئے شیخ حرم
جگ مگا یا ان کے دل میں اس طرح نورِ ہُدیٰ
نام ابواحمد محمد ، عرف تھا ان کا ضیاء
وقف کردی یوں علومِ دیں کی خاطر زندگی
عام کی نطق و قلم سے عمر بھر یہ روشنی
چُن لیا اللہ نے ان کو ہدایت کے لیے
کر لیا ان کو پسند امت کی خدمت کے لیے
ڈیڑھ درجن میں تصانیف اور مضامیں بے شمار
علم کی خاطر بسر کرتے رہے لیل و نہار
بوہیرہؒ پر لکھی ایسی کتاب بے مثال
ہو گئے سب مطمئن، تشنہ نہ چھوڑے کچھ سوال
فیصلے عدلِ نبی کے کردیے یک جا تمام
تاکہ ہو آساں شریعت کی عدالت کا نظام
چھانٹ کے ساری الگ کر دیں احادیثِ صحیح
اک ذخیرے میں اکٹھی کیں احادیثِ صحیح
مختلف ادیان پر بھی ہیں تصانیفِ ضخیم
ہیں نصابِ جامعہ ان کے مضامینِ عظیم
بیہقی کی شرح نو جلدوں میں ہے ان کا کمال
ہے 'صحیح الجامع' ان کی اک کتابِ بے مثال
دین کی دعوت ہو کیسے غیر مسلم کے لیے
اک کتاب ان کی ہے جس میں گُر یہ سب بتلا دیے
آپ بیتی 'گنگا سے زم زم تک' ان کی داستاں
ہر ورق جس کا ہے اک راہِ ہدایت کا نشاں
اور بھی کتنے ہی ہیں ان کے قلم کے شاہ کار
جو بھی گوہر ہے وہی اپنی جگہ ہے تاب دار
تین کم اَسّی برس اس دارِ فانی میں جیے
'روز عرفہ' کو وہ راہِ آخرت پر چل دیے
زندگی میں وہ رہے اکثر مدینے کے مکیں
اب ہیں مدفونِ بقیع روضۂ خلدِ بریں
یا الٰہی ! صدقہ جاری بنادے ان کے کام
آخرت میں دے انہیں فردوس میں اعلیٰ مقام
غم زدہ اولاد ہے اور ان کا سارا خاندان
مل کے کرتے ہیں دعائے مغفرت پس ماندگان
اک ملال وصدمہ ہے ان کے تمام احباب کو
صبر کی توفیق یارب! ہر دلِ بے تاب کو
دے جزائے خیر تو دارین میں ربِ قدیر
کی جنھوں نے ان کی خدمت اور بنے ان کے نصیر
یا الٰہی ! فضل سے ثاقب کو بھی صالح بنا
دو جہاں میں نیک لوگوں کی رفاقت کر عطا

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب عمری



انشورنس؛بعض اقسام واحکام

ڈاکٹر سید حسین مدنی (مؤسس ادارۂ کل ہند تحقیقات علمیہ وصدر فتوی بورڈ تلنگانہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الأمين وعلى آله وصحبه أجمعين

تمہید: دور حاضر میں انشورنس کا موضوع اس لیے اہم ہے، کیونکہ اللہ نے باطل ذریعے سے مال کھانے سے منع کیا اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾

"اے ایمان والو! اپنے آپسی مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ مگر یہ کہ خرید و فروخت تمہاری آپسی رضامندی سے ہو۔"(سورۃ النساء:29)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ »

"(روز قیامت سوال ہوگا کہ) اپنا مال کہاں سے کمایا اور اسے کہاں پر خرچ کیا؟" (جامع ترمذی، ابواب الصفۃ، باب فی القیامۃ:2416)

انشورنس کا موضوع اس قدر طویل اور اہم موضوع ہے کہ جس کی صرف ایک شکل تعاونی ہیلتھ انشورنس پر جامعۃ الملک میں ماجستیر Master's degree کی گئی اور صرف ہیلتھ انشورنس پر جامعۃ الامام میں دکتوراہ Doctorate کیا گیا۔

انشورنس کا موضوع اس قدر پیچیدہ اور قابل احتیاط بھی ہے کہ شیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ جیسے جید و متبحر عالم نے کچھ دن پہلے فرمایا کہ میرے پاس انشورنس کی بعض شکلوں کا مکمل تصور نہیں۔

مفہوم وابتدا: انشورنس کو ہندی اور اردو میں بیمہ اور جدید عربی میں تامین کہا جاتا ہے، اور قدیم علما نے انشورنس کو سوکرہ کا نام دیا جو SECURITY کا معرب ہے اور تجارتی انشورنس کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کو کسی تحفظ یا تلافی نقصان کی غرض سے یک مشت یا اقساط پر مخصوص اور متعین رقم فراہم کرتا ہے اور دوسرا فریق اس کے عوض حسب معاہدہ بھی رقم تو کبھی کوئی شے تو کبھی کوئی خدمت ومنفعت فراہم کرتا ہے اور کبھی کچھ کمپنیوں اور حکومتوں کی جانب سے اپنے ملازمین و باشندوں کے لیے فریق ثالث کے طور پر رقم کی ادائی ہوتی ہے۔

انشورنس کی ابتدا تو سمندری تجارتی سفر کو محفوظ بنانے کی غرض سے چودہویں صدی عیسوی میں جنوبی یورپ کے ملک اٹلی ITALY میں ہوئی، لیکن انشورنس کی شکلیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں متعارف ہوئیں اور اس سے متعلق پہلا قانون بھی اسی وقت Germany میں بنا۔

انشورنس کے موضوع پر عدم گفتگو متاخرین فقہاء میں سب سے پہلے امام ابن عابدین دمشقی (ت 1252) نے کی اور دیار اسلام میں نہیں بلکہ صرف دار الحرب میں حربی کی رضامندی سے سوکرہ کا مال لینے کی اجازت دی۔(حاشیہ ابن عابدین رد المختار:170/4)

انشورنس کی اقسام: انشورنس کا تعلق فقہ النوازل والمستجدات سے ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ الاقلیات، فقہ المآلات، فقہ الاولویات، فقہ الموازنات اور فقہ الواقع سے بھی ہے۔

علمی و اصولی اور فرضی طور پر انشورنس کی متعدد قسمیں بتائی گئیں، لیکن بنیادی طور پر رائج یا علماء کے یہاں معروف دو بڑی قسمیں ہیں:

1۔تعاونی　　2۔تجارتی۔

تعاونی Cooperative انشورنس: فریق اول کی جانب سے کسی بھی طرح سے رقم کی ادائی کے بغیر انشورنس اگر حکومت یا اصحاب خیر کی جانب سے تعاونی Cooperative ہو تو شیخ عبد اللہ بن منیع حفظہ اللہ کے علاوہ سب کے یہاں متفقہ طور پر جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ﴾ (سورۃ المائدہ:2)

"اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ" اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنّ الْأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الْغَزْوِ أَوْ قَلّ طَعَامُ عِيالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ جَمَعُوا مَا كَانَ عِندَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ بالسوية» (صحیح بخاری:2354)

"اشعری قبیلے کا توشہ میدان جنگ میں جب ختم ہو جاتا یا مدینے میں ان کے اہل خانہ کا غلہ کم پڑ جاتا تو وہ ایک کپڑے میں اپنی ساری پونجی اکٹھا کر لیتے، پھر ایک برتن سے اسے برابر برابر اپنے درمیان تقسیم کر دیتے۔

تجارتی Commercial انشورنس: انشورنس اگر تجارتی Commercial ہو تو اس کی فقہی تکییف و تصویر کرنے میں اختلاف کی بنا پر حکم بیان کرنے میں بھی اجتہادی اختلاف پایا جاتا ہے۔

بلاد اسلامیہ یا غیر بلاد اسلامیہ کی تمیز و تفریق کے بغیر

جمہور اور بیشتر اہل علم نے بالخصوص مجمع الفقہ الإسلامی الدولی International Islamic Fiqh Academy کی اکثریت ہیئۃ کبار العلماء سعودیہ لجنۃ دائمۃ للبحوث العلمیہ والافتاء سعودیہ امریکی مجمع فقہاء الشریعۃ شیخ ابن عثیمین، شیخ البانی، شیخ بن باز سابق مفتی دیار مصر شیخ محمد بیت المطیعی اور ملک شام کے معاصر فقیہ دکتور وہبہ زحیلی رحمہم اللہ دیگر نے تجارتی انشورنس کو کئی وجوہات کے پیش نظر حرام قرار دیا، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1۔ غرر اور ضرر: تجارتی انشورنس میں غرر Uncertainty اور ضرر پایا جاتا ہے اور انشورنس میں عقود کی مکمل وضاحت اور پابندیوں کی صراحت نہیں ہوتی، اس لحاظ سے اس نوعیت والا معاملہ منع ہے کیونکہ نبی ﷺ نے:

" نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ ... عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ "

"نبی ﷺ نے غرر والے معاملے سے منع کیا۔" (صحیح مسلم، کتاب البیوع:1513)

غرر یعنی جہل اور معاملہ کی عدم شفافیت ہے اور کبھی غرر دھوکے یا دھوکے کے شبہ اور خطرے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور انشورنس میں غرر غرر فاحش یعنی بے تحاشا ہے، اس اعتبار سے کہ انشورنس کرانے والے کو ضرورت پڑے گی یا نہیں، اگر پڑے گی تو کم ہوگی یا زیادہ ہوگی، ضرورت نہ پڑنے یا کم پڑنے کی صورت میں انشورنس کرانے والے کو نقصان ہوگا اور ضرورت زیادہ پڑنے کی صورت میں کمپنی کو نقصان ہوگا۔

2۔ میسر و قمار اور رہان یا مراہنہ: قمار۔۔۔جوا۔۔۔ Gambling کی شکل ہے، اس لحاظ سے کہ انشورنس کرانے والا کبھی بغیر غلطی اور بغیر زیادتی رقم ادا کر کے نقصان میں رہتا ہے اور فائدہ نہیں اٹھا پاتا، تو کبھی کمپنی بغیر محنت فائدے میں رہتی ہے اور جب بھی اس طرح سے معاملہ داری میں جہالت اور لاعلمی یقینی طور پر ہو تو وہ میسر قمار اور جوا شمار ہوتا ہے، جس سے اللہ نے منع فرمایا اور جب منع فرمایا تو اس قمار کو شراب اور بت پرستی کے ساتھ ذکر کیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ 0 إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ﴾

"اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب جو تھان اور فال نکالنے کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی حرکتیں ہیں، لہٰذا ان کاموں سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے آپسی بغض و دشمنی ڈال دے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟"

اور یہ انشورنس اُس رہان یا مراہنہ یعنی شرط لگانا داؤ لگانا یا سٹے بازی Betting کی شکل بھی ہے جس کی اسلام نے اجازت نہیں دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ أَوْ نَصْلٍ »(سنن ابوداود، کتاب الجہاد، باب فی السبق:2574)

"شرطیہ مقابلہ صرف اونٹوں اور گھوڑوں کے مقابلے اور تیر اندازی کے مقابلے ہی میں درست ہے۔"

3۔ باطل ذریعے سے مال کمانا: انشورنس میں طرفین دلی اور حقیقی رضامندی کے بغیر ناحق اور باطل ذریعے سے Unlawfully/ Unjustly مال کماتے اور کھاتے ہیں، جب کہ اللہ نے اسے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾

"اے ایمان والو! تم آپس میں اپنا مال باطل ذریعے سے نہ کھاؤ۔"(سورۃ النساء:29)

4۔ ربا: انشورنس کی غرض سے کمپنی کو مال کم دیا جاتا ہے، لیکن واپس زیادہ لیا جاتا ہے یا قسط وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں کمپنی کو زائد رقم دینی پڑتی ہے تو یہ ربا الفضل ہے اور کمپنی وہی رقم بعد میں ادا کرتی ہے تو یہ ربا النسیئۃ ہے اور اگر کمپنی زائد رقم بعد میں ادا کرتی ہے تو ایسی صورت میں ربا الفضل اور ربا النسیئۃ دونوں بھی پائے جاتے ہیں۔

انشورنس کمپنیاں اپنی آمدنی کی رقم سودی معاملات میں لگاتی ہیں اور سودی منافعے سے اپنا کام کرتی ہیں، جب کہ اللہ نے سود کو حرام قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (سورۃ البقرہ: 275)"اللہ نے تجارت حلال کی اور سود حرام کیا۔"

تنبیہ: بالخصوص اس تعلیل و توجیہ سے دیگر اہل علم نے اختلاف کیا کیوں کہ لائف انشورنس کے علاوہ دیگر قسموں میں پیسے کا تبادلہ پیسے سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی ٹھوس چیز Commodity تو کبھی منفعت و خدمت Service سے ہوتا ہے جو کہ سود نہیں۔

کچھ دیگر افراد جیسے شامی عالم مصطفی زرقاء رحمہ اللہ، باحث مجمع الاسلامي الدولي، مصری فقیہ عبد الوہاب خلاف رحمہ اللہ و دیگر نے عمومی طور پر تجارتی انشورنس کو جائز قرار دیا، کیونکہ ان کے یہاں جواز کی چودہ سے زائد وجوہات ہیں، جن میں کچھ نمایاں وجوہات درج ذیل ہیں:

اعتبار اصل: معاملات میں اصل اباحت ہے اور انشورنس کی حرمت منصوص نہیں۔

باہمی تعاون: انشورنس نیکی اور پرہیز گاری میں تعاون کی بنیاد پر قائم ہے۔

مصالح مرسلہ میں شمار: انشورنس مصالح مرسلہ میں

سے ہے۔

عقد موالات پر قیاس: عقد موالات پر قیاس یعنی جیسے مجہول النسب آدمی معلوم النسب شخص سے کہہ سکتا ہے کہ تم میرے وارث ہو سکتے ہو اور انشورنس کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

ضرورت: ضرورات یعنی مجبوریاں محظورات وممنوعات کو مباح وجائز کر دیتی ہیں۔

تنبیہ: واضح رہے کہ آخری تعلیل کے علاوہ اس قول کی جملہ دلیلیں اور ساری تحلیلیں عام ہیں، جب کہ جمہور کے موقف کی دلیلیں انشورنس کی رائج حقیقت پر مبنی ہیں، لہٰذا اگر پہلے قول کی معقول دلیلیں اور تعلیلیں نہ ہوتیں تو اس قول کا عموم وقیاس محل نظر ہونے کی بجائے قابل اعتبار ہوتا اور موالات پر قیاس بھی اس لیے بے محل ہے کیوں کہ موالات اخوت پر مبنی ہوتی ہے جب کہ تجارتی انشورنس محض کاروبار ہے اور ان دلائل کا مزید سیر حاصل علمی محاکمہ و مناقشہ اور تفصیلی تحلیلی دراسہ قرارات الفقہ الإسلامی الدولی فقہ النوازل للأقلیات المسلمۃ، رسالۃ الدکتوراہ بالأزہر لمحمد یسری إبراہیم، اور الفقہ المیسر للدکتور عبد اللہ الطیار میں موجود ہے۔

لائف انشورنس:

لائف انشورنس کے حوالے سے دار الإفتاء المصریہ فتویٰ نمبر / 8539 نے سورۃ المائدۃ 1 کے عموم سے لائف انشورنس کے معاہدہ کو عمومی طور پر جائز قرار دیتے ہوئے بڑا اور زائد توسع اختیار کیا بلکہ اس کے جواز کے لیے محض طیب نفس کی بنا پر کسی دوسرے کے مال کو حلال قرار دیا، منصوص شرعی احکام کی طرح مسلمانوں کے اچھے نظریے کو اللہ کے یہاں بہتر گردانا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے نبی ﷺ کی وصیت "تم اپنے بچوں کو مال دار چھوڑ کر جاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے" سے انشورنس کی متعدد قسموں کو اور بالخصوص لائف انشورنس کو جائز بتایا جب کہ لائف انشورنس میں سابقہ شرعی مخالفتوں کے ساتھ ساتھ پیسے کا تبادلہ منفعت یا عین سے ہونے کی بجائے جب پیسے ہی سے ہوتا ہے تو یہ عین سود قرار پاتا ہے، مزید برآں لائف انشورنس میں بدعقیدگی بھی پائی جاتی ہے، اس حیثیت سے کہ تدبیر کائنات میں اللہ پر کما حقہ توکل نہیں ہوتا، اس موضوع کی مزید تفصیل کے لیے آئندہ موضوع کا مطالعہ کیجیے۔

تجارتی میڈیکل یا ہیلتھ انشورنس:

اکثر میڈیکل اور ہیلتھ انشورنس دونوں ہم معنی استعمال ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھار اس اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے کہ میڈیکل انشورنس کا دائرہ نسبتاً اور قدرے محدود ہوتا ہے جیسے دواخانے میں شریک کرنا اور علاج اور سرجری کرنا وغیرہ جب کہ ہیلتھ انشورنس کا دائرہ وسیع ہوتا ہے جس میں دوائیں فراہم کی جاتی ہیں اور احتیاطی اقدامات بھی کئے جاتے ہیں، بلکہ ساری طبی نگہداشت کی جاتی ہے، لیکن شرعی حکم کے اعتبار سے دونوں ایک ہی درجے میں ہیں۔

تجارتی ہیلتھ انشورنس بھی سابقہ وجوہات کی بنا پر اصل حرام ہی ہے، بریلوی مکتب فکر کے ساتھ ساتھ دیوبندی مکتب فکر کی مجلس تحقیقات شرعیہ نے دسمبر 1965ء میں اور دار العلوم دیوبند فتوی نمبر 1047-998 نے بھی اسے دو سال قبل حرام قرار دیا اور مولانا مفتی تقی عثمانی نے تقریباً 12 سال قبل اس پر حرمت کا فتوی لگایا، لیکن مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے 15/ اگست 2019ء کے شمع فروزاں شمارے میں لکھا کہ ملکی بدلتے حالات کے پیش نظر مذکورہ مجلس تحقیقات شرعیہ نے جان ومال کے تحفظ و بقا اور صنعت و حرفت کی عملی زندگی میں در پیش دشواریوں کے مد نظر لائف انشورنس اور دیگر اقسام کی انشورنس کی گنجائش پیدا کی، پھر درپیش حالات کے تئیں 1990ء میں إدارۃ المباحث الفقہیہ جمعیت علماء ہند نے بھی جواز کا فتوی دیا۔ 30/ اکتوبر 1992ء کو اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اسی نقطہ نظر کو دہرایا، لہٰذا جن علاقوں میں غریب مسلمانوں کو جانی و مالی فسادات کا خطرہ لاحق ہو تو صرف ان کے لیے لائف اور املاک کے انشورنس کی اجازت ہوگی کہ وہ فسادات کی صورت میں پالیسی کی مکمل اداشدنی زائد رقم سے استفادہ کریں، عام حالات میں صرف اپنی ادا کردہ رقم پر اکتفا کریں اور زائد رقم صدقہ کر دیں اور واضح کیا کہ یہ اجازت مال داروں کے لیے نہیں۔ انتہی باختصار

حالیہ بیان میں مزید کہا کہ سچر کمیٹی نے رپورٹ دی کہ مسلمان تعلیمی پسماندگی کے ساتھ ساتھ صحت کے اعتبار سے بھی انتہائی پسماندہ ہیں اور عوام کے علاج کا ذمہ حکومت کا ہوتا ہے، لیکن دیکھا جا رہا ہے کہ حالات دنیا بھر میں بڑی برق رفتاری سے تبدیل ہو رہے ہیں، نتیجتاً وطن عزیز میں بھی مغربی سرمایہ دارانہ نظام Capitalism فروغ پا رہا ہے نتیجتاً اور عملاً طبی معیشت کے نجی شعبے یعنی Corporate sectors بڑھ گئے یا بڑھا گئے ہیں تاکہ Tax کا حصول زیادہ سے زیادہ ہو سکے اور بھی کچھ مقامات پر تو حالات بے اختیار ہوتے نظر آتے ہیں، لہٰذا اس پس منظر میں صرف غیر محفوظ علاقوں میں رہنے والوں کے لیے جان ومال اور دکان ومکان کی حفاظت کے لیے لائف انشورنس اور دکان وکاروبار کے انشورنس کی اجازت ہے اور مختلف ملکی سطح کے شرعی و تحقیقی اداروں کے حوالے سے کہا کہ عمومی طور پر ضرورت مندوں کے لیے صرف ہیلتھ انشورنس کی اجازت ہوگی۔ مزید تنبیہ بھی کی کہ مال داروں کو اس سے بچنا چاہیے اور واضح کیا کہ اگر کوئی فریق ثالث میڈکل انشورنس کرا

دے تو اس کا حکم اور آسان ہو گا۔

جامعۃ الامام کے کچھ سابقہ مشائخ اور دمشق واز ہر کے کچھ علمانے شیخ بکر ابو زید رحمہ اللہ کی صدارتی مجلس میں تجارتی ہیلتھ اور میڈیکل انشورنس کو جعالہ پر قیاس کیا اور بتایا کہ جیسے جعالہ میں مخاطب اور معاوضہ عام اور غیر معلوم ہوتا ہے، ہیلتھ انشورنس کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔(مجلہ مجمع الفقہ الإسلامي:432/11)

امام مرداوی رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر کسی نے کسی کے لیے شفایابی تک علاج کا مطالبہ کیا اور کوئی معاوضہ مقرر کر لیا تو جعالہ کی حیثیت سے یہ عمل درست ہو گا۔

" من داوى لي هذا حتى يبر أمِن جُزجه أو مَرَضِه أو رَمَدِه... تصِحُ جَعالةً " (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف:170/16)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

”اگر کوئی شخص مریض کی شفا ہونے تک کسی طبیب سے معاہدہ کرلے تو یہ معاملہ بطور جعالہ جائز ہو گا۔

" إِذَا جَعَلَ لِلطَّبِيبِ جَعْلا عَلَى شِفَاءِ الْمَرِيضِ جَازَ " (مجموع الفتاوى:507/20)

کویت کی لجنۃ الإفتاء نے امریکی طالب علم کو لائف انشورنس کے علاوہ بقیہ ساری اقسام بشمول تجارتی ہیلتھ انشورنس کرانے اور اس کے محکمہ میں کام کرنے کی اجازت دی۔(الدرر البہیۃ من الفتاوی الکویتیۃ: 6/311-314)

بالخصوص تجارتی ہیلتھ انشورنس کے حوالے سے مجمع الفقہ الإسلامي الدولي نے اپریل 2005ء میں قرارداد نمبر149(16/7)منظور کی کہ

" إذا كان التأمين الصحي مباشرًا مع المؤسسة العلاجية فإنه جائز شرعًا بالضوابط التي تجعل الغرر يسيرًا مغتفرًا مع توافر الحاجة التي تنزل منزلة الضرورة لتعلق ذلك بحفظ النفس والعقل والنسل وهي من الضروريات التي جاءت الشريعة بصيانتها.

و من الضوابط المشار إليها: وضع مواصفات دقيقة تحدد التزامات كل من الطرفين. دراسة الحالة الصحية للمستأمن والاحتمالات التي يمكن التعرض لها.

أن تكون المطالبات المالية من المؤسسة العلاجية إلى الجهة مرتبطة بالأعمال التي تم تقديمها وليس بمبالغ افتراضية كما يقع في شركات التأمين التجارية. "

”اگر ہیلتھ انشورنس براہ راست علاج فراہم کرنے والے ادارےMedical Institution کے ساتھ مرتبط ہو تو شرعی طور پر ایسے ضوابط کے ساتھ جائز ہے جو انشورنس میں پائے جانے والے غرر کو معمولی اور قابل نظر انداز بناتے ہوں اور اس حالت میں جائز ہے جب کہ اس کی ایسی حاجت موجود ہو جو شرعی طور پر ضرورت کے درجے میں سمجھی جائے، کیوں کہ ہیلتھ انشورنس کا تعلق جان عقل اور نسل کی حفاظت سے ہے اور یہ وہ بنیادی ضروریات ہیں جن کی حفاظت کا حکم شریعت نے دیا ہے۔

ان شرعی ضوابط میں سے چند درج ذیل ہیں:

1۔ انشورنس کرانے والے اور ہیلتھ انشورنس کمپنی کی ذمہ داریوں کو متعین کرنے کے لیے واضح اور درست شرائط وضوابط طے کئے جائیں۔

2۔ انشورنس کرانے والے کی طبی حالت اور ممکنہ خطرات کا جائزہ لیا جائے۔

3۔ حقیقت پر مبنی علاجی خدمات پر ہی مالی مطالبات Financial Claims ہوں تجارتی کمپنیوں کی طرح فرضی نہ ہوں۔

فتوی بورڈ قصیم کے ممبر دکتور عبد اللہ محمد الطیار حفظہ اللہ اور دیگر مشائخ سعودیہ نے بھی براہ راست دواخانہ سے ہیلتھ انشورنس کرانے کی اجازت دی اور بتایا کہ ایسی صورت میں غرر اور جہل اس قدر کم ہے وہ قابل نظر انداز ہے اور معاہدہ پر اس کا کوئی بھی اثر نہیں پڑے گا۔

"التأمين الصحي المباشر:عقد صحيح نافذ لاكتمال أركانه وتوافر شروطه لأن الجهالة التي ترد على محل العقد تعتبر من الجهالة اليسيرة التي تغتفر ولا يكون لها أثر في المعقود عليه " (الفقہ المیسر التأمین الصحي المباشر:90/12)

قصیم کے عالم شیخ دبیان بن محمد الدبیان حفظہ اللہ نے شیخ صالح آل الشیخ رحمہ اللہ اور شیخ صالح بن حمید حفظہ اللہ ودیگر مشائخ سعودیہ کی تقدیم کے ساتھ المعاملات المالية أصالة ومعاصرة کتاب لکھی اور اس میں اس نتیجے پر پہنچے کہ ہیلتھ انشورنس نقصان کی تلافی کے لیے ہے، اسی لیے مباح معاملات میں داخل ہے اور اس معاملہ میں ایک قول کے مطابق غرر کم ہے اور دوسرے قول کے مطابق غرر فاحش ہو تو بھی عوامی ضرورت یعنی عوامی مجبوری اس کو مباح کر دیتی ہے اور یہی صحیح موقف ہے۔(139/4)

بعض اہل علم نے کہا کہ کمپنی اپنے ملازم کا ہیلتھ انشورنس کرا رہی ہے تو جائز ہے۔ (موقع الإسلام سؤال وجواب،فتوی نمبر:180521)

جبری انشورنس:

حکومتوں کی جانب سے جبری ولازمی Mandatory Compulsory یا Auto انشورنس یعنی التأمین الإجباري أو الإلزامي سے متعلق مجمع الفقہ الإسلامي الدولي نے دسمبر 1985ء میں قرارداد منظور کی کہ اگر کسی کو گاڑی یا کسی اور شئے کے انشورنس کے لیے مجبور کیا جائے تو ایسی صورت میں وہ شخص ﴿وَقَد

فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُم إِلَيْهِ﴾ (سورۃ الانعام:119) اور ﴿فاتقُوا الله ما استطعتُم﴾ (سورۃ التغابن:16) کے پیش نظر مکرہ یعنی مجبور و بے بس کے حکم میں ہے اور﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (سورۃ البقرۃ:173) کے تحت (دلی کراہت کے ساتھ) (یہ اضافہ میرا یعنی باحث کا ہے۔) اسے کم شرعی خلاف ورزی والی پالیسی لینی چاہیے اور انشورنس کرانے والا نقصان کی صورت میں زیادتی سے بچتے ہوئے اتنی مقدار ہی میں معاوضہ Compensation لے سکتا ہے جتنی رقم اس نے ادا کی۔

جبری یا غیر جبری انشورنس کی تفریق سے صرف نظر شیخ عبد اللہ بن جرین رحمہ اللہ نے معاوضہ لینے کے جواز میں اتنی مقدار کی قید نہیں لگائی جتنی رقم انشورنس کرانے والے کی جانب سے ادا کی گئی۔ (موقع الإسلام سؤال وجواب فتوی نمبر/70318 حل يأخذون دية ميتهم من شركة التأمين)

لیکن دیگر اہل علم نے کہا کہ شبہ کی چیز سے بچنا چاہیے ورنہ حرام کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔ (موقع الإسلام سؤال وجواب فتوی نمبر/102969 حكم التأمين على رخصة القيادة)

بحالت مجبوری انشورنس: نجی اور شخصی مجبوری میں انشورنس کے حوالے سے المجلس الأوروبي للإفتاء والبحوث European Council for Fatwa and Research نے قرار داد 7/6 منظور کی کہ مغربی ممالک میں مسلمانوں کے در پیش سخت مشقت والے حالات کے مد نظر ہیلتھ یا دیگر انشورنس کی جاسکتی ہے کیوں کہ وہاں ان کے لیے کوئی جائز متبادل بندوبست نہیں۔ (قرارات وفتاوی المجلس الأوروبي، ص/154-155، وفقه النوازل للأقليات المسلمة رسالة الدكتوراه بالأزهر لمحمد يسري إبراهيم:2/918-919)

اور اسی مجلس نے قرارداد نمبر 2/18 منظور کی کہ اگر کوئی مسلمان ایسا سخت مجبور ہو جائے کہ ممکنہ طور پر مقدور بھر کوشش کے باوجود اس کو انشورنس کی کمپنی کے علاوہ کسی اور جگہ کام نہ ملے تو دوسرا روزگار ملنے تک وہ انشورنس کمپنی میں کام کر سکتا ہے۔

انشورنس کا غرر اور شرعی تقابلی نقطۂ نظر:

کسی بھی طرح کے جبری انشورنس اور مجبوری میں کئے جانے والے ہیلتھ انشورنس کی عمومی اجازت کچھ اہل علم نے اس لیے دی کیوں کہ بقول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جب ضرورت ہو اور مصلحت غالب ہو تو ایسی صورت میں میسر سے وابستہ غرر معاملہ مباح ہو جاتا ہے۔

" وَكَذلِكَ بَيْعُ الْغَرَرِ هُوَ مِنْ جِنْسِ الْمَيْسِرِ وَيُبَاحُ مِنْهُ أَنْوَاعٌ عِندَ الْحَاجَةِ وَرَجْحَانِ الْمَصْلَحَةِ "(مجموع الفتاوى لابن تیمیہ:14/471)

مزید فرمایا کہ غرر پر مشتمل معاملہ داری اس لیے منع کردہ ہے کیوں کہ وہ میسر کی قسم ہے، لیکن جب اس سے بڑا نقصان اس سے ٹکرانے لگے تو ایسی صورت میر سے وابستہ غرر کو مباح کر دیتی ہے۔ واللہ اعلم

" وبيع الْغَرَرِ نَهَى عَنْهُ لِأَنَّهُ مِنْ نوع الْمَيْسِرِ الَّذِي يُفْضِي إِلَى أكل المَالِ بِالْبَاطِلِ فَإِذَا عَارَضَ ذَلِكَ ضَرَرَ أَعْظَمُ مِنْ ذلِكَ أَبَاحَهُ دَفْعًا لِأَعْظَمِ الفَسَادِينِ بِاحْتِمَالِ أَدْنَاهُمَا وَاللهُ أَعْلَمُ "(مجموع الفتاوى لابن تیمیہ:29/483)

مزید فرمایا کہ غرر کا بگاڑ ربا کے بالمقابل کم ہے، اسی لیے ضرورت کے تحت غرر کے معاملے میں رخصت دی گئی ہے، اسی لیے بنیاد اور دیواروں کو جانے بغیر کبھی ایک ساتھ عمارت بیچ سکتے ہیں اور حاملہ جانور کا حمل جانے اور دودھ دینے والے جانور کے دودھ کی مقدار کو جانے بغیر انہیں فروخت کر سکتے ہیں۔

"... الْحَاجَةُ مِنْهُ فَإِنَّ تَحْرِيمَهُ أَشَدُّ ضَرَرًا مِنْ ضَرَرِ كَوْنِهِ غَرَرًا مِثْلَ بَيْعِ الْعَقَارِ جُمْلَةً وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ دَوَاخِلُ الْحِيطَانِ وَالْأَسَاسَ وَمِثْلَ بَيْعِ الْحَيَوَانِ الْحَامِلِ أَوَ الْمَرْضِع وَإِنْ لَمْ يُعْلَمْ مِقْدَارُ الْحَمْلِ أَوِ اللَّبَن "(مجموع الفتاوى لابن تیمیہ:29/26)

مزید فرمایا کہ شارع غرر کی کسی ایک قسم کی وجہ سے لوگوں کی ضرورت کی چیزوں کے معاملات کو حرام نہیں کرتا ہے بلکہ غرر سے وابستہ لوگوں کی ضرورت کی چیز مباح کرتا ہے۔

" وَالشَّارِعُ لَا يُحَرِّمُ مَا يَحْتَاجُ النَّاسُ إِلَيْهِ مِنْ الْبَيْعِ لِأَجْلِ نَوْعٍ مِنَ الْغَرَرِ، بَلْ يُبِيحُ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ فِي ذلِكَ " (مجموع الفتاوى لابن تیمیہ:29/227)

شائد اس یقینی مصلحت کے مد نظر سعودیہ میں سارے اقامہ ہولڈرا جانب کے لیے ہیلتھ انشورنس لازم کیا گیا۔

بعض اہل علم نے کہا کہ دواخانے میں ڈاکٹر کا انشورنس ڈپارٹمنٹ میں کام کرنا گناہ کے کام میں ہاتھ بٹانا نہیں۔ (موقع الإسلام سؤال وجواب فتوی نمبر/170654)

متفرقات

☆ اختیاری حالات میں تجارتی انشورنس والی کمپنی میں کسی بھی طرح کا کام حرام ہے کیوں کہ اللہ جب کسی شئے کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی قیمت یعنی تجارت و ملازمت سب کو حرام کر دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « إِنَّ اللهَ إِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهُ» (مسند أحمد:2678، بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما، بسند صحیح، بعض روایات میں اکل شيء ہے۔)

"اللہ جب کسی شے کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی قیمت (و تجارت) بھی یقینی طور پر حرام کر دیتا ہے۔ لاعلمی یا اجتہادی غلطی کی بنا پر تجارتی انشورنس کمپنی میں ملازمت سے حاصل کردہ آمدنی جائز ہے۔"

لجنہ دائمہ اور بالخصوص ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا:

"الذي يظهر لي أنه إذا كان لا يعلم أن هذا حرام فله كل ما أخذ وليس عليه شيء أو أنه اغتر بفتوى عالم أنه ليس بحرام فلا يخرج شيئاً، وقد قال الله تعالى:

﴿فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللهِ﴾ أما إذا كان عالماً فإنه يتخلص من الربا بالصدقة به تخلصاً منه."(فتاوى اللجنة الدائمة المجموعة الأولى:15/ 7، فتوىٰ نمبر 14839، واللقاء الشهري توبة المرابي)

"میرے یہاں ظاہر سی بات ہے کہ اگر کسی نے لاعلمی میں یا کسی عالم کے فتویٰ سے دھوکہ کھا کر کام کیا تو وہ مال رکھ سکتا ہے اور ایسے شخص کو﴿ فَمَن جَاءَهُ مَوْعِظَةٍ مِن رَبِّهِ فَأَنْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللهُ ﴾(سورۃ البقرۃ:275) کے پیش نظر وہ مال نکالنے کی ضرورت نہیں لیکن کسی نے دانستہ طور پر کیا تو ایسا شخص اس مال سے چھٹکارا پانے کے لیے اسے صدقہ کر دے۔

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لاعلمی کی شرط نہیں لگائی کیوں کہ اللہ نے سابقہ آیت میں اسلام اور وضاحت حرمت ذکر نہیں کی، جیسا کہ امام ابن مفلح رحمہ اللہ نے فرمایا:"له ما سلف للآية ولم يقل الله فمن أسلم ولا من تبين له التحريم ." (الفروع لابن مفلح:11/140)

☆ انتقال کے بعد اگر لائف انشورنس کا مال وارثین کو ملے تو وارثین وہ مال لے سکتے ہیں کیوں کہ یہ مال بذات خود حرام نہیں بلکہ ذریعہ آمدنی کی وجہ سے حرام ہے اور ابن عثیمین رحمہ اللہ کا فتویٰ اس موقف سے ملتا جلتا ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

"الشأن يختلف عند انتقال المال إلى الورثة إذا كان المال محرماً لا لعينه وإنما من حيث الكسب ، ويدخل فيه ما سأل عنه الأخ السائل وهو اكتساب المال نتيجة عقد التأمين ، فالربا والميسر والغرر من المال المحرم لكسبه وليس لذاته، وما حرم لكسبه فإن إثمه على كاسبه فقط وليس على من تعامل مع كاسبه بالبيع والشراء أو الإهداء أو الضيافةإثم. ودليل ذلك أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يعامل اليهود في المدينة بالبيع والشراء ، وكان يؤاكلهم، وهم الذين وصفهم الله تعالى بأكل الربا و أخذهم أموال الناس بالباطل. وعليه فإذا انتقل المال المحرم بكسبه إلى الورثة صار حلالاً لهم، وهو قول المالكية، ورجحه الشيخ العثيمين رحمه الله.

قال العلامة محمد عليش المالكي - رحمه الله - : " واختلف في المال المكتسب من حرام ، كربا ومعاملة فاسدة ، إذا مات مكتسبه عنه : فهل يحل للوارث؟ وهو المعتمد أم لا؟ وأما عين الحرام المعلوم مستحقه ، كالمسروق والمغصوب : فلا يحل له " . انتهى من " منح الجليل شرح مختصر خليل" (2/416).

وقد سئل الشيخ العثيمين - رحمه الله - : إذا ورث إنسان مالاً من شخص ، وكان يعلم أن جزء من هذا المال مثلاً عشرة آلاف أو عشرين ألفاً ، أنه ربا صريح محرم والباقي لا يعلم عنه أو مختلط فماذا يفعل بالربا الصريح المحرم؟

فأجاب:"لا بأس به هو حل له لأنه ملكه بطريق مباح وهو إرث إلا إذا علمت أن هذا مال فلان، وأن الميت غصبه فحينئذ لا يحل لك، وأما إذا كان محرّماً لكسبه كالربا وما أشبه ذلك: فهذا لا بأس به " (موقع الإسلام سؤال وجواب فتویٰ نمبر،184222، من توفي وجاء لورثته مبلغ تأمين على الحياة فهل يحل لهم؟)

Retirement Insurance اگر جبری ہو تو ملازمت سے استعفادینا ضروری نہیں البتہ تنخواہ سے منہا کردہ رقم سے زائد جو سودی رقم ہوگی اس کو صدقہ کرنا ضروری ہے۔(فتاوی الاسلام ویب فتوی نمبر 377659)

حاصل کلام:

☆ انشورنس کا مسئلہ غیر منصوص جدید شدید پیچیدہ اجتہادی واختلافی فقہی مسائل میں سے ہے۔

☆ تعاونی Cooperative انشورنس متفقہ طور پر جائز ہے۔

☆ جمہور علمانے بلاد اسلامیہ و غیر بلاد اسلامیہ کی تمیز کے بغیر تجارتی Commercial انشورنس کو غرر وضرر، میسر و قمار اور رہان یا مراہنہ، باطل ذریعے سے مال کمانے، سودی شبہ اور دیگر وجوہات کی بنا پر حرام قرار دیا، جب کہ بعض نے اصل، عموم، قیاس، ضرورت یعنی مجبوری اور دیگر وجوہات کی بنا پر تجارتی انشورنس کو جائز بتایا۔

☆ لائف انشورنس بھی ایک تفصیلی طور پر اختلافی مسئلہ ہے لیکن اس میں بغیر مجبوری سودی شبہ اور بدعقیدگی کا پہلو غالب ہے۔

☆ تجارتی میڈیکل یا ہیلتھ انشورنس بھی اصل کے اعتبار سے جمہور علماء کے یہاں حرام ہی ہے اسی لیے اس سے اختیاری حالات میں بچنا چاہیے لیکن:
بدلتے بے اختیار حالات اور منڈلاتے خطرات اور ضرورت و مجبوری کے مد نظر اور جعالہ پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم نے اسے جائز قرار دیا اور اس کے غرر کو شدید ضرورت و مجبوری کے پیش نظر مغتفر(قابل نظر انداز) جانا لیکن بہر صورت تعاونی انشورنس اور براہ راست دواخانے سے دقیق و تفصیلی معاہدہ اولی وافضل ہے۔

☆ جبری انشورنس اور بحالت مجبوری انشورنس وقت ضرورت اور بقدر ضرورت دونوں بھی جائز ہیں۔

☆ خوش حال مسلم معاشرے کو فقہ الترخیص سے فقہ التاسیس کی جانب آنا چاہیے اور تجارتی انشورنس کے بدائل تلاش کرنے چاہیے، فرض زکاۃ، نفل صدقات اور پندرہ قسم کے مشروع کفارات بھی متعارف کرانے چاہیے۔ واللہ أعلم



لباس میں تواضع اختیار کرنے کی فضیلت

سیدنا معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ حَتَّى يُخَيِّرَ مِنْ حُلَلِ الْإِيمَانِ يَلْبَسُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ.» (سنن ترمذی، أبواب صفة القيامة، باب منه: 2481- مستدرك حاكم: 183/4)

”جو استطاعت کے باوجود فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر عاجزی دکھاتے ہوئے (قیمتی) لباس پہننا چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوقات کے سامنے بلائے گا اور اسے یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ ایمانی جُبّوں (چوغوں) میں سے جو چاہے پہن لے۔“

ایمانی جبوں سے مراد وہ جبے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے جنت میں تیار کر رکھے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِنْ شَعْرٍ أَسْوَدَ.(صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب التواضع في اللباس والاقتصار على الغليظ منه...: 2081- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في لبس الصوف والشعر: 4032- سنن ترمذی، أبواب الأدب، باب ما جاء في الثوب الأسود: 2813)

”رسول اللہ ﷺ ایک صبح باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ کے جسم مبارک پر بالوں سے بنی سیاہ رنگ کی چادر تھی جس پر کجاووں جیسے نقش ونگار تھے۔“

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ

وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ مِنْ جِبَابِ الرُّومِ.

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى: شَامِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ

(صحیح بخاری، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الجبة الشامية: 363- صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين:274)

”آپ ﷺ نے اُون کا رُومی جُبّہ (چوغہ) زیب تن کیے ہوئے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ تنگ آستینوں والا شامی جُبّہ تھا۔“

یعنی آپ ﷺ دو جہانوں کے سردار ہونے کے باوجود لباس میں انتہائی تواضع اختیار فرماتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ نے (اپنے بیٹے سے) فرمایا:

يَا بُنَيَّ! لَوْ شَهِدْتَنَا وَنَحْنُ مَعَ نَبِيِّنَا ﷺ إِذَا أَصَابَتْنَا السَّمَاءُ لَحَسِبْتَ رِيحَنَا رِيحَ الضَّأْنِ مِنْ لِبَاسِ الصُّوفِ.

(سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الصوف والشعر: 4033- سنن ترمذی، أبواب صفة القيامة، باب منه: 2479- سنن ابن ماجه، كتاب اللباس، باب لبس الصوف:3562)

”اے میرے بیٹے! کاش! تو ہمیں اس وقت دیکھتا جس وقت ہم نبی ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے اور جب آسمان بارش برساتا تو اُون کے کپڑوں کی وجہ سے تُو ہم سے (آنے والی) بُو کو بھیڑوں کی بُو سمجھتا۔“

یعنی تب کسی کے پاس عمدہ لباس موجود نہ ہوتا تھا، بلکہ اُون کے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ ایسا اس لیے تھا کیونکہ ان کے ہاں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہ تھی، بلکہ ان کی نظر میں اہم کام نیکی اور تقویٰ کے امور میں کمال حاصل کرنا تھا۔

سیدنا ابوبردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا وَإِزَارًا غَلِيظًا، فَقَالَتْ: قُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي هَذَيْنِ.

(صحیح بخاری، كتاب اللباس، باب الأكسية والخمائص: 5818- صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب التواضع في اللباس والاقتصار على الغليظ منه...:2080)

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور موٹے کپڑے کا تہہ بند دکھایا، اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی رُوح انہی دو کپڑوں میں قبض ہوئی تھی۔“

سیدنا عقبہ بن عبد سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

اسْتَكْسَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَكَسَانِي خَيْشَتَيْنِ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَلْبَسُهُمَا وَأَنَا أَكْسَى أَصْحَابِي.

(سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الصوف والشعر:4032)

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے پہننے کے لیے کپڑے مانگے تو آپ ﷺ نے مجھے معمولی ٹسر سے بنے ہوئے دو کپڑے دیے، پھر میں نے وہ پہن کر خود کو دیکھا تو میں اپنے ساتھیوں کی نسبت اچھے کپڑوں والا تھا۔“

یعنی تب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عالم تھا کہ حضرت عقبہ معمولی ٹسر سے بنے ہوئے کپڑے پہن کر بھی خود کو دیگر صحابہؓ سے اچھے کپڑوں والا سمجھ رہے تھے، تو باقی صحابہؓ کے کپڑوں کی کیا حالت ہوگی؟

لیکن زہد و تواضع تھا کہ انہوں نے کبھی دنیوی امور زینت کو اتنی اہمیت نہیں دی۔

رسول اللہ ﷺ کا لباس

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْحِبَرَةُ (صحیح بخاری، كتاب اللباس، باب البرود والحبرة والشملة: 5812 -صحیح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب فضل لباس ثياب الحبرة: 2079)

”رسول اللہ ﷺ کو جو کپڑا سب سے زیادہ پسند تھا وہ دھاری دار یمنی چادر تھی۔“

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

لَمْ يَكُنْ ثَوْبٌ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ مِنَ الْقَمِيصِ. (سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب ما جاء في القميص:4026)

”رسول اللہ ﷺ کو قمیض سے بڑھ کر کوئی کپڑا پسند نہیں تھا۔“

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ، وَالْحُلَّةُ: إِزَارٌ وَرِدَاءٌ وَلَا يَكُونُ فِيهَا قَزٌّ.(صحیح بخاری، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ: 3551- صحیح مسلم، كتاب الفضائل، باب في صفة النبي ﷺ وأنه كان أحسن الناس وجهاً: 2337)

”ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سُرخ رنگ کی عمدہ پوشاک پہن کر تشریف لائے۔ چونغہ تہہ بند اور چادر پر مشتمل تھا اور اس میں ریشم کا استعمال نہیں کیا گیا تھا۔“

سیدنا ابورمثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

انْطَلَقْتُ نَحْوَ النَّبِيِّ ﷺ، فَرَأَيْتُ عَلَيْهِ بُرْدَيْنِ أَخْضَرَيْنِ. (سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب في الخضرة: 4065- سنن ترمذی: 2812)

”میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو دو سبز چادریں پہنے دیکھا۔“

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ

(صحیح بخاری، كتاب اللباس، باب البرود والحبرة والشملة:5809)

”میں نبی ﷺ کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور آپ ﷺ نے موٹے کناروں والی چادر اوڑھ رکھی تھی۔“

سفید لباس کی فضیلت

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«الْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ، وَإِنَّ خَيْرَ أَكْحَالِكُمُ الْإِثْمِدُ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ» (سنن أبوداؤد، كتاب الطب، باب في الأمر بالكحل: 3878-سنن ترمذی، أبواب الجنائز، باب ما يستحب من الأكفان: 994- صحیح الجامع للألباني:1236)

”سفید کپڑے پہنا کرو اور اپنے فوت شدگان کو کفن بھی انہی میں دیا کرو اور تمہارے سب سُرموں سے بہترین سُرمہ اِثمد ہے، کیونکہ یہ نظر تیز کرتا ہے اور بال اُگاتا ہے۔“

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْبَسُوا هَذِهِ الثِّيَابَ الْبِيضَ فَإِنَّهَا أَطْيَبُ وَأَطْهَرُ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ» (سنن ترمذی، أبواب الأدب: 2810- سنن ابن ماجه، كتاب اللباس، باب البياض من الثياب: 3567)

”سفید کپڑے پہنا کرو، کیونکہ یہ بہت اچھے اور انتہائی پاکیزہ ہوتے ہیں اور اپنے فوت شدگان کو کفن بھی انہی میں دیا کرو۔“

قمیض کے بٹن کُھلے رکھنے کا جواز

سیدہ قرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ فَبَايَعْنَاهُ، وَإِنَّ قَمِيصَهُ لَمُطْلَقٌ. قَالَ: فَبَايَعْتُهُ ثُمَّ أَدْخَلْتُ يَدِي مِنْ جَيْبِ قَمِيصِهِ فَمَسَسْتُ الْخَاتَمَ مِثْلَ الْبَيْضَةِ أَوْ مِثْلَ الْخَاتَمِ الَّذِي فِي الطَّسْتِ، قَالَ عُرْوَةُ: فَمَا رَأَيْتُ مُعَاوِيَةَ وَلَا أَبَاهُ إِلَّا مُطْلِقَ أَزْرَارِهَا شِتَاءً وَلَا حَرًّا، وَلَا يَزُرَّانِ أَزْرَارَهَا قَطُّ أَبَدًا. (سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب في حل الأزرار: 4082- سنن ابن ماجه، كتاب اللباس، باب حل الأزرار: 3578- صحيح الترغيب والترهيب: 42)

”میں مزینہ قبیلے کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم نے آپ ﷺ سے بیعت کی، اور آپ ﷺ کا قمیض کھلا تھا(یعنی قمیض کے بٹن کھلے ہوئے تھے)۔ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی، پھر اپنا ہاتھ آپ ﷺ کی قمیض کے گریبان میں ڈالا تو میں نے انڈے کی مثل یا(کہا)طشت میں پڑی انگوٹھی کی مثل مہرِنبوّت کو چھوا۔ عروہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے معاویہ اور ان کے باپ سردی و گرمی میں بٹن کھلے رکھے ہی دیکھا اور وہ انہیں کبھی بند نہیں کرتے تھے۔“

لیکن اگر تکبر کے اظہار یا شوخ پن کے طور پر قمیض کے بٹن کھلے رکھے جائیں تو پھر یہ جائز نہیں ہے۔

تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے پر وعید

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ، مُرَجِّلٌ جُمَّتَهُ إِذْ خَسَفَ اللهُ بِهِ، فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء: 5789- صحیح مسلم، كتاب

اللباس والزينة: 2088)

”ایک شخص عمدہ پوشاک پہنے اور بالوں میں کنگھی کیے خود پسندی میں منہمک جارہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے اسے زمین میں دھنسادیا اور وہ قیامت کے دن تک دھنستا ہی چلا جائے گا۔“

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: الْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ» (صحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب ما عرض على النبي ﷺ في صلاة الكسوف:907)

”تین لوگ ایسے ہیں جن کی طرف روزِ قیامت اللہ تعالیٰ نہ تو نظرِ رحمت فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا: ٹخنوں سے نیچے تہہ بند لٹکانے والا، احسان کر کے جتلانے والا اور اپنا سامان جھوٹی قسم کے ذریعے بیچنے والا۔“

عبد الرحمان بیان کرتے ہیں کہ

سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ فِي الْإِزَارِ شَيْئًا، قَالَ: نَعَمْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «أُزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، وَمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ، لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ بَطَرًا» (سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب في قدر موضع الإزار: 4093- سنن ابن ماجه، كتاب اللباس: 3573)

”میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو تہہ بند کے بارے میں کچھ فرماتے سنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں، میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا کہ مومن کا تہہ بند اس کی آدھی پنڈلیوں تک (اوپر ہونا چاہیے) اس جگہ اور ٹخنوں کے درمیان رکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ تہہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں جلے گا، اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (نظرِ رحمت سے) نہیں دیکھے گا جو اپنے کپڑے کو تکبّر سے گھسیٹتے ہوئے چلتا ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ» (صحيح بخارى، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار: 5787)

”تہہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ (جہنّم کی) آگ میں جلے گا۔“

سیدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ جبکہ آپ ﷺ نے تہہ بند کا ذکر فرمایا:

فَالْمَرْأَةُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «تُرْخِي شِبْرًا» قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: إِذًا يَنْكَشِفُ عَنْهَا، قَالَ: «فَذِرَاعًا لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ» (سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب في قدر الذيل: 4117)

”اے اللہ کے رسول! عورت (اپنا تہہ بند کہاں رکھے)؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک بالشت (ٹخنوں سے نیچے) لٹکائے۔ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: تب تو اس کے (پاؤں) بے پردہ ہو جائیں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایک ہاتھ (تک لٹکا لے اور) اس سے زیادہ نہ لٹکائے۔“

سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ

مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي الْإِزَارِ فَهُوَ فِي الْقَمِيصِ. (سنن أبوداؤد، كتاب اللباس، باب في قدر موضع الإزار:4095)

”رسول اللہ ﷺ نے جو (حکم) تہہ بند کے بارے میں فرمایا ہے وہی قمیض کے متعلق ہے۔“

یعنی صرف تہہ بند کو ہی ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص اتنی لمبی قمیض پہنتا ہے کہ وہ بھی ٹخنوں سے نیچے تک پہنچتی ہے تو وہ بھی حرام ہے اور اس پر بھی اس وعید کا اطلاق ہو گا جو تہہ بند کو لٹکانے پر وارد ہوئی ہے۔

سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ: أَيْ رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ إِزَارِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذَلِكَ مِنْهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ» (صحيح بخارى، كتاب اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء: 5784- صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة: 2085)

”جس نے بہ غرضِ تکبر اپنا کپڑا (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اس کی طرف (نظرِ رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے تہہ بند کے دونوں کناروں میں سے ایک کنارہ ڈھلک جاتا ہے، سوائے اس صورت کے کہ میں اس کا خاص طور پر خیال رکھا کروں (تو میرے بارے میں کیا حکم ہے؟ (تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔“

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جسم فربہ تھا، اس لیے آپ کا تہہ بند نیچے لٹک جاتا تھا۔ تو اس حدیث میں بیان نبی ﷺ کے حکم سے یہ بات احاطہ علم میں آتی ہے کہ اگر موٹاپے یا کسی اور عذر کی وجہ سے تہہ بند ڈھلک کر ٹخنوں سے نیچے آجاتا ہے تو یہ صورت متذکرہ بالا وعید سے مستثنیٰ ہے، بشرطیکہ ایسے شخص میں بھی تکبر کا شائبہ تک موجود نہ ہو۔



اسلام اعتدال پسند دین ہے، افراط و تفریط یا غلو کو ناپسند کیا گیا، عبادات میں بھی اعتدال کی تعلیم دی گئی اور رسول اکرم ﷺ نے اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا اور ہمیشہ صحابہ کرام کو اس کی تلقین فرمایا کرتے، صلاۃ و صوم، صدقہ و خیرات، معاملات اور عادات، کھانے پینے، سونے جاگنے میں حد اعتدال سے تجاوز کرنے کو پسند نہیں کیا گیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب اسی عنوان سے رکھا ہے کہ عبادات میں تشدد اور سختی کی کراہت:

"باب ما يكره من التشديد في العبادة "

گویا عبادت جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ، صالحیت کی علامت اور سعادت دارین کے حصول کا سبب ہے، اس میں بھی اعتدال مطلوب ، ورنہ ہماری عبادتیں روح اسلام کے منافی ہوں گی۔ لیکن دیکھا گیا کہ اس میں لوگ افراط و تفریط کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خاص طور پر مناسک حج کی ادائیگی میں۔ حجاج کرام کی نیتیں نیک ہو سکتی ہیں، لیکن ہمارے اعمال سنت کے مطابق نہ ہوئے تو قابل قبول نہیں، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی پیش نظر رہنا چاہیے:

«خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ »

"حج کا طور طریقہ مجھ سے لو۔"

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جگہ جگہ اس کی نصیحت فرمائی، جب آپ ﷺ مزدلفہ پہنچے، اپنے چچازاد بھائی ابن عباس کو کنکری لانے کا حکم دیا، جب وہ لے آئے تو آپ ﷺ نے ان میں جو درمیانے درجہ کی کنکریاں تھیں وہ قبول کرتے ہوئے ایسی تاکید فرمائی، جس سے ہر طرح کے تشدد اور انتہاء پسندی کی بیخ کنی ہوتی ہے ۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ»(سنن ابن ماجہ: 3029؛مسند احمد:347;215)

"خبر دار دین میں غلو سے بچو ، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو نے برباد کر ڈالا۔"

دین میں ہر جگہ اعتدال کی اہمیت ہے، مناسک حج سے متعلق خاص طور پر ارشادات نبوی ﷺ کو اگر حجاج کرام پیش نظر رکھیں تو کئی پریشانیوں سے خود بھی محفوظ رہ سکتے ہیں اور دوسروں کی بھی راحت کا سبب بن سکتے ہیں، اس میں حجاج سے ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، گویا شیطان ان کے سامنے کھڑا ہے، وہ اپنی طاقت سے اسے کچل دینا چاہتے ہیں، حالانکہ یہاں ذکر اللہ اور دعا کی ضرورت ہے اور ان دونوں چیزوں میں سکون اور وقار مطلوب ہے۔ آپ ﷺ نے عرفات سے مزدلفہ روانگی کے موقع پر دیکھا کہ ایک شور سا برپا ہوا ہے کیونکہ کچھ لوگ تیزی سے آگے بڑھنے کی کوشش میں اپنے جانوروں کو بھگا رہے تھے ، آپ ﷺ نے اس عجلت پسندی کو ناپسند فرماتے ہوئے نصیحت کی کہ لوگو!

وقار اور سکون سے آگے بڑھو ، یہاں تیزی میں نیکی نہیں ہے۔

بعض حجاج کرام عرفات میں پورا دن دعاؤں میں گزار کر مزدلفہ روانہ ہوتے ہوئے جس بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور پھر ان کی زبانوں سے جو ناپسندیدہ و کلمات ادا ہوتے ہیں، گویا لگتا ہے دن بھر کی عبادت کا اثر میدان عرفات ہی میں زائل کر دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہر قافلہ کو مناسب ترتیب کے ساتھ آگے بڑھایا جاتا ہے۔ یہاں معلم کی آفس میں قرعہ اندازی ہوتی ہے کہ کس گروپ کو کس ترتیب سے لے جایا جائے گا، لیکن جن کے قرعہ فال میں کچھ تاخیر ہو تو پھر وہاں حجاج کا صبر کا بندھن جیسے ٹوٹ جاتا ہے۔ میدان عرفہ ہی میں بعض حجاج کرام نبوی ہدایت کے بر خلاف جبل رحمت کا رخ کرتے ہیں کہ وہاں جا کر دعا کریں گے ، حالانکہ نصیحت نبوی ﷺ اس کے بر عکس ہے کہ

" العرفة كلها موقف"

میدان عرفات میں جہاں بھی جگہ ملے وہیں ٹھہر و اور وہیں سے دعا کرو۔ جبل رحمت پر جا کر دعا کرنے کی کوئی خصوصی فضیلت نہیں، وہاں تک پہنچنے کے لیے حجاج جان جوکھم میں ڈالتے ہیں۔ مزدلفہ پہنچ کر ہدایت نبوی ﷺ کے مطابق مغرب اور عشاء کی نماز ادا کر کے آرام کرنا ہے، فجر تک کیونکہ اس میدان میں آپ ﷺ نے مکمل آرام فرمایا تھا لیکن اسوہ نبوی ﷺ کے بر خلاف بعض حجاج نماز کی ادائیگی سے قبل کنکریاں جمع کرنے میں لگ جاتے ہیں اور کچھ یہاں شب بیداری کی زحمت کرتے ہیں اور کچھ حضرات خصوصاً گروپ لیڈرز یہاں برائے نام قیام کر کے روانہ ہو جاتے ہیں کہ صبح کام زیادہ ہے، حالانکہ مسنون یہ ہے کہ فجر کی نماز ادا کر کے ذکر و اذکار کے بعد یہاں سے روانہ ہوں ، صرف خواتین بچوں اور ضرورت مندوں کو پہلے روانہ ہونے کی

اجازت ہے۔

کچھ حجاج کرام قیام مکہ کے دوران ہر دن صبح وشام عمرہ کرتے ہیں، صبح فجر کے بعد تنعیم روانہ ہوتے ہیں، وہاں سے احرام باندھ کر ایک عمرہ ادا کرتے ہیں اور شام دوسرا عمرہ۔ لیکن ایسا عمل نہ صحابہ کرام نے کیا اور نہ ہی تابعین نے، جبکہ اعمال صالحہ کا شوق اور جذبہ ان میں کہیں زیادہ تھا، اسی لئے بہت سے علماء کرام نے اس کے مقابلہ میں کثرت طواف کو ترجیح دی ہے۔

حجر اسود کا بوسہ فرض اور واجب نہیں، صرف مسنون عمل ہے، اگر بوسہ کا موقعہ ہو تو چھونا ورنہ صرف اشارہ کر دینا کافی ہے لیکن وہاں جو کچھ دھکم پیل ہوتی ہے، بعض لوگ دوسروں کی پرواہ کئے بغیر جس طرح آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ اسوہ اور ہدایت نبوی ﷺ کے خلاف ہے، بسا اوقات اس جدوجہد میں لوگ فرائض اور واجبات کی تک پرواہ نہیں کرتے۔

ایک سنگین غلطی لوگ طواف کے بعد دو رکعات ادا کرنے میں کرتے ہیں، طواف کے بعد کی دو رکعات مسجد حرام میں کہیں بھی ادا کی جا سکتی ہیں، لیکن عین مقام ابراہیم کے قریب ادا کرنے کی جستجو اپنے لئے اور طواف کرنے والوں کے لئے خطرناک عمل ہے۔ کیونکہ وہاں ہزاروں لوگ طواف میں مشغول ہوتے ہیں، اس وقت اسی جگہ نماز ادا کرنا اپنے لئے اور طواف کرنے والوں کے لئے زحمت اور مصیبت ہے۔

اسی طرح مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کے موقع پر جو بے اعتدالیاں کی جاتی ہیں، جیسے بعض زائرین کا یہ اصرار کہ ہر صورت میں مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنی ضروری ہیں، ورنہ حج ناقص رہ جائے گا، حالانکہ حج مکہ میں شروع ہوتا ہے، طواف قدوم سے اور مکہ ہی میں طواف وداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو موقع ہو تو مدینہ منورہ ضرور جائے اور چالیس نہیں بلکہ زیادہ قیام کر رہا ہو تو زیادہ نمازیں مسجد نبوی میں ادا کرے، ورنہ جتنے دن قیام ہوا تنی ہی نمازیں ادا کرے، خواہ مخواہ چالیس کی شرط نہ لاد لے۔

مسجد نبوی میں زیارت اور روضۃ الجنۃ میں اداء صلاۃ کے لئے بعض لوگ اداب زیارت اور حدود و قیود کی جو پامالی کرتے ہیں، وہ اس اہم مقام کے مرتبہ کے منافی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور ہدایات کے خلاف ہے، یہاں تو سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ زیادہ ہونا چاہیے۔

☆☆☆

برمنگھم میں جلسۂ استقبال رمضان

(نوٹ: اس خبر میں کچھ پروف کی غلطیاں رہ گئی تھیں جو تصحیح کے بعد دوبارہ شائع کی جا رہی ہیں۔)

جامع مسجد محمدی ھارٹپ روڈ الم راک برمنگھم میں رمضان المبارک سے ایک ہفتہ قبل جلسہ استقبال رمضان کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تاکہ رمضان کی آمد سے قبل اس کی اہمیت وفضیلت سے واقف ہو کر اسی سے پوری طرح استفادہ کیا جا سکے اور غفلت اور سستی دور ہو۔

اسی جلسہ سے قاری ذکاء اللہ سلیم، ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ، مولانا عبد الہادی العمری صدر مجلس القضاء الاسلامی برطانیہ، مولانا محمد منیر قاسم بانی مسجد الفرقان شبلی، بریڈ فورڈ اور مولانا شیر خان جمیل احمد عمری رکن مجلس القضاء اسلامی برمنگھم نے بڑے ہی مؤثر انداز میں روزوں کے اسرار و رموز اور اس کی حدود و قیود پر روشنی ڈالی اور اس کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ تقویٰ کا حصول اس کا بہت بڑا مقصد ہے۔

تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح ہم دنیا میں ایک خاردار راستے سے گزرتے ہوئے بڑی احتیاط سے گزرتے ہیں کہ کہیں خار دار جھاڑی اور کانٹوں سے ہمارے کپڑے الجھ نہ جائیں، ہم اپنے آپ کو اور اپنے کپڑوں کو بچاتے ہوئے گزر جاتے ہیں، اسی طرح اس دنیا میں بہت سے محارم اور اسلام کی ناپسندیدہ چیزیں اور برائیاں موجود ہیں، ان سے دامن بچا کر گزر جاتے ہیں، اسی طرح اس دنیا میں بہت سے محارم اور اسلام کی ناپسند چیزیں اور برائیاں موجود ہیں، ان سے دامن بچا کر گزر جانے کا نام تقویٰ ہے، اسی تقویٰ کی ٹریننگ کے لیے رمضان کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔

امیر مسجد حاجی عبد الغفور نے جلسہ کی نگرانی کی، جناب محمد سلیمان چوہدری، حاجی اللہ دتہ، محمد امجد، جناب عجائب خان، حاجی باقی جان، محمد فاروق نسیم اور بہت سے معززین شریک تھے، خواتین بھی خاصی تعداد میں شریک تھیں۔ جلسہ کے اختتام پر تمام حاضرین کے لیے بہترین طعام کا انتظام کیا گیا تھا۔ اللہ کریم تمام منتظمین و معاونین جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

مسلمانو! اٹھو اب ماہ رمضان آنے والا ہے
کرو تیاریاں روزوں کی شعبان جانے والا ہے

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب ڈلی

☆☆☆

مردہ کون؟

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ليس الميت من خرجت روحه من جنبيه وإنما الميت من لا يفقه ماذا لربه من الحقوق عليه .

”میت وہ نہیں جس کی روح پرواز کر گئی، میت تو وہ ہے جو سمجھتا نہیں کہ اس کے رب کے اس پر کیا حقوق ہیں۔“

(التذکرۃ:18)

عمدۃ الأحکام

عمدۃ الأحکام؛ جمعہ کا بیان

فضل الرحمٰن حقانی، خطیب وامام محمدی مسجد نیلسن یوکے

(قسط 57)

حدیث نمبر:135

عَنْ أبي هريرة رضي الله عَنْه، أن رسول الله ﷺ قال : «مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ، ثُم رَاحَ في السَّاعَةِ الأُولى، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ»

(رواه البخاري، كتاب الجمعة، باب فضل الجمعة، برقم 881، ومسلم، كتاب الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، برقم 850)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے جمعہ کے دن غسل جنابت (جیسا غسل) کیا پھر مسجد چلا گیا تو اس نے گویا ایک اونٹ قربان کیا اور جو دوسری گھڑی میں گیا تو گویا اس نے گائے قربان کی اور جو تیسری گھڑی میں گیا گویا اس نے سینگوں والا ایک مینڈھا قربان کیا اور جو چوتھی گھڑی میں گیا اس نے گویا ایک مرغ اللہ کے تقرب کے لیے پیش کیا اور جو پانچویں گھڑی میں گیا اس نے گویا ایک انڈا تقرب کے لیے پیش کیا اس کے بعد جب امام آ جاتا ہے تو فرشتے ذکر (عبادت اور امور خیر کی یاد دہانی) سنتے ہیں۔“

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی:

1 - اغْتَسَلَ: اس نے غسل کیا۔

2 - رَاحَ: وہ چلا/گیا۔

3 - السَّاعَةِ الْأُولى: پہلی گھڑی۔

4 - فَكَأَنَّمَا : پس گویا کہ۔

5 - كَبْشٌ أَقْرَنُ : سینگوں والا مینڈھا۔

6 - قَرَّبَ بَدَنَةً : اس نے اونٹ قربان کیا۔

7 - بَقَرَةٌ: گائے۔

8 - دَجَاجَةٌ: مرغی۔

9 - بَيْضَةٌ: انڈا۔

10- حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ: فرشتے حاضر ہوئے۔

11 - يَسْتَمِعُونَ: غور سے سنتے ہیں۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ جمعہ کے دن غسل کا اہتمام کرنا بڑی فضیلت والا عمل ہے اس معنی میں اس رات کو بیوی سے ہمبستری کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں غسل جنابت کا ذکر ہے یا دوسرا اس کا معنی یہ ہے کہ غسل جنابت کی طرح کا غسل کیا اور غسل جنابت عام غسل سے مختلف ہوتا ہے اس میں زیادہ اہتمام ہوتا ہے اور غسل سے پہلے استنجاء اور وضوء کیا جاتا ہے بالوں کی جڑوں تک اچھی طرح پانی پہنچایا جاتا ہے اور جسم کو مل کر دھویا جاتا ہے۔

2۔ جمعہ کے دن مسجد میں پہلے جانا بڑی فضیلت کا باعث ہے پہلے جا کر نوافل ادا کرنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور ذکر و اذکار کرنا نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا۔

3۔ اللہ کی راہ میں جانور ذبح کرنے کی فضیلت ہے۔ پہلی گھڑی میں پہنچنے والے کو اونٹ کی قربانی جتنا ثواب ملتا ہے۔

4۔ ان فضیلت والی گھڑیوں کا بالضبط وقت نہیں بتایا گیا اس میں ترغیب ہے جلدی سے جلدی مسجد جانے کی۔

5۔ اونٹ کی قربانی گائے کی نسبت افضل ہے اور اسی طرح گائے کی قربانی بکری یا مینڈھے کی نسبت افضل ہے۔

6۔ سینگوں والا مینڈھا اللہ کی راہ میں قربان کرنا بکری کی دوسری اقسام کی نسبت زیادہ افضل ہے۔

7۔ اچھا اور عمدہ مال اللہ کی راہ میں دینے کی ترغیب ہے۔

8۔ صدقہ و خیرات کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو جیسے حدیث میں انڈے کا ذکر ہے۔

9۔ مساجد کے دروازوں پر متعین فرشتے جمعہ کے لیے آنے والوں کے نام درج کرتے ہیں اس میں جمعہ دن جمعہ کی نماز اور خطبہ کی فضیلت ہے۔

10۔ جب خطیب صاحب خطبہ دینے کے لیے آتے ہیں تو فرشتے نام لکھنے کا کام چھوڑ کر خطبہ سننے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

اس میں خطبہ جمعہ کی اہمیت کا پتا چلتا ہے خطباء کو چاہیے کہ اس بات کو مد نظر رکھیں اور لوگوں کی قرآن وحدیث کے مطابق راہنمائی اور وعظ و نصیحت وغیرہ کریں۔

حدیث نمبر:136

عَنْ سَلَمَة بن الأَكْوَع رضي الله عَنْه ــ وكان من أصحاب الشجرة ــ قال :

«كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ صَلَاةَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ نَنْصَرِفُ، وَلَيْسَ لِلْحِيطَانِ ظِلٌّ نَسْتَظِلُّ بِهِ».

وفي لفظٍ :

«كُنَّا نُجَمِّعُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَتَتَبَّعُ الْفَيْءَ».

(رواه البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، برقم 4168، ومسلم، كتاب الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، برقم 32- (860)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

سیدنا حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ جو کہ اصحاب شجرہ (بیعت رضوان) میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے پھر ہم واپس پلٹتے اور دیواروں کا کوئی سایہ نہ ہوتا تھا جن سے ہم سایہ حاصل کر سکیں ایک روایت میں ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا پھر ہم واپس لوٹتے تو سایہ تلاش کرتے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی:

1 - أَصْحَابُ الشَّجَرَةِ :درخت والے مراد اس سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے بیعتِ رضوان کی تھی۔

2 - كُنَّا نُصَلِّيْ :ہم نماز پڑھا کرتے تھے۔

3 - نَنْصَرِفُ :ہم پلٹتے،واپس لوٹتے۔

4 - حِيْطَانُ:دیواریں۔

5 - ظِلٌّ:سایا۔

6 - نَسْتَظِلُّ بِهِ:ہم اس سے سایا حاصل کر سکیں۔

7 -اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ:جب سورج ڈھل جاتا۔

8 - نَرْجِعُ :ہم لوٹتے/واپس ہوتے۔

9 - نَتَتَبَّعُ :ہم تلاش کرتے۔

10 - اَلْفَيْءَ :سایا۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ نماز جمعہ کا وقت ظہر کی طرح زوال کے بعد کا ہے۔

2۔ ظہر کی طرح نماز جمعہ بھی اول وقت پڑھنا مسنون ہے سوائے کسی مصلحت و حکمت کے اس کو دیر سے نہیں پڑھنا چاہیے۔

3۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ جب ہم جمعہ پڑھ کر واپس آتے تو دیواروں کا سایہ نہ ہوتا اس کا یہ مطلب نہیں کہ زوال سے پہلے ہی نماز جمعہ پڑھ لیتے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ اس سے مراد زوال کے بعد نماز جمعہ جلدی پڑھنے اور خطبہ کے مختصر ہونے کا اشارہ ہے۔(چھوٹی دیواروں کا سایہ دیر سے آتا ہے) البتہ خطبہ جمعہ زوال سے کچھ دیر پہلے شروع کیا جا سکتا ہے مگر جمعہ کی نماز زوال کے بعد ہی پڑھی جائے گی۔

4۔ موسم گرما میں جمعہ جلدی پڑھنا مسنون ہے۔

حدیث نمبر:137

عَنْ أبي هريرة رضي الله عَنْه قال :

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي صَلاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (الم تَنْزِيلُ) السَّجْدَةَ وَ(هَلْ أَتَى عَلَى الإِنْسَانِ)».

(رواه البخاري، كتاب الجمعة، باب ما يُقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة، برقم 891، وفي كتاب سجود القرآن، باب سجدة (التنزيل) السجدة، برقم 1068، ومسلم، كتاب الجمعة، باب ما يقرأ يوم الجمعة، برقم 879، وزاد:

«... وأن النبي ﷺ كان يقرأ في صلاة الجمعة: سورة الجمعة، والمنافقين»، ورقم 880)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں الم تنزیل (سورہ السجدہ) اور دوسری رکعت میں ھل اتیٰ علی الانسان (سورہ الدہر / الانسان) تلاوت کرتے تھے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی:

1 - يَقْرَأُ :وہ پڑھتا ہے/پڑھے گا۔

2 - فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ :صبح کی نماز میں۔

3 - الم السَّجْدَةَ :سورہ سجدہ کا نام ہے۔

4 - هَلْ اَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ:سورہ الانسان کا نام ہے،اس کا ایک تیسرا نام سورہ الدھر ہے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورہ سجدہ اور دوسری رکعت میں سورہ دھر پڑھنا مسنون ھے۔ فجر کی نماز باقی نمازوں سے قدرے لمبی قرات والی نماز ہے نبی کریم ﷺ عموماً ساٹھ سے سو آیات تلاوت فرماتے۔ البتہ اگر لوگ اس کی استطاعت نہ رکھیں تو قدرے مختصر بھی پڑھائی جا سکتی ہے۔

2۔ اس سنت پر بہت کم لوگ عمل کرتے ہیں صرف اہلحدیث مساجد میں اس سنت پر عمل ملتا ہے اور یہ اہلحدیث کے لیے شرف کی بات ہے۔

☆☆☆



افواہ کا معنی و مفہوم: ”افواہ“ عربی زبان کا لفظ ہے جو "فَوَہ" سے بنا ہے اردو زبان میں بھی مستعمل ہے، قرآن مجید میں اس لفظ کو بارہ (12) مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں ”بے اصل بات مشہور کرنا، جھوٹی خبر مشہور کرنا، اڑتی ہوئی خبر، غیر یقینی و نا معتبر لوگوں کی خبریں۔ لفظ ’افواہ‘ کو مختلف انداز اور لب و لہجے میں شعراء کرام نے بھی استعمال کیا ہے کسی شاعر نے کہا:

آتا ہے کون کون میرے غم کو بانٹنے
محسن تو میری موت کی افواہ اڑا کے دیکھ

شاعر راحت اندوری نے کہا تھا:

افواہ تھی کہ میری طبیعت خراب ہے
لوگوں نے پوچھ پوچھ کے بیمار کر دیا

اور ایک شاعر حزیں لدھیانوی نے کہا تھا:

جتنے مفلس ہیں وہ ایک روز تو نگر ہوں گے
ایک افواہ سنی ہے مگر اخباری سی

افواہ کے عناصر: دین اسلام نے افواہ کو گناہ اور ایک سماجی برائی تصور کیا ہے اور اس سماجی برائی کو سختی کے ساتھ ختم کرنے کی تعلیم دی ہے اور ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت کے انجام بد سے باخبر بھی کیا ہے، عوام الناس میں سے بعض کا یہی مشغلہ ہوتا ہے کہ وہ صبح سے شام تک کوئی نہ کوئی افواہ پھیلاتے رہتے ہیں اور انسانی سماج بالخصوص مسلم امت کو آزمائشوں، اضطراب و کرب سے دو چار کرتے رہتے ہیں۔ اس دور میں انسانوں کے ساتھ ساتھ جدید میڈیا و ذرائع ابلاغ و خبر رساں ادارے بھی اس کے محرک و علمبر دار ہیں، جس کے متعلق ایک عظیم مفکر نے کہا تھا:

”اے اخبار والو! تمہارے حسن نگاہ کی بھی خیر ہو، چاہو تو ذرّے کو پہاڑ بنا ڈالو، اور چاہو تو کوہِ ہمالیہ تمہیں ٹیلہ نظر آئے۔“

ان افواہوں کے سبب سماجی زندگیاں درہم برہم ہیں، بنا کسی تحقیق و تصدیق سے کوئی نہ کوئی خبر مشہور کر دی جاتی ہے کسی کے ساتھ بھی ناجائز رشتوں کو جوڑ دیا جاتا ہے، کسی بھی خاندان کو بدنام کر دیا جاتا ہے، کسی کے بھی انتقال کی خبر عام کر دی جاتی ہے، کہیں بھی فسادات کی خبریں مشہور کر دی جاتی ہیں، کسی کا الزام کسی کے سر ڈال دیا جاتا ہے، راتوں رات کسی کو بھی دیش دروہی بنا دیا جاتا ہے اور معصوم دہشت گرد بنا دئے جاتے ہیں اور ناکردہ گناہوں کی سزائیں بھگتے ہیں، ایسی خبروں سے انسانیت مجروح ہو جاتی ہے اور سماجی نفرتیں پروان چڑھنے لگتی ہیں، خاندان و قبائل ٹوٹ جاتے ہیں، فرقہ وارانہ منافرت پھیل جاتی ہے، دنگا فساد مچ جاتا ہے اسی لئے دین اسلام نے سب سے پہلے اس بات کی تعلیم دی ہے کہ

﴿ يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾

”اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے لئے پریشانی اٹھاؤ۔“ (سورۃ الحجرات:6)

کسی بھی خبر کی تصدیق سے پہلے تحقیق ضروری ہے، میڈیا اور واٹس ایپ کے اس دور میں لوگوں کو غیر مصدقہ خبریں اڑانے میں بڑی دلچسپی نظر آتی ہے یہ سلسلہ چنگاری کو آگ اور شعلے کو آتش فشاں بنا دیتا ہے اور لوگ اس سے لذت حاصل کرتے ہیں، یہی نہیں گھریلو جھگڑے، مساجد و مدارس اور مذہبی جماعتوں کے اختلافات، مذہبی وسیاسی شخصیتوں کی کمزوریوں کو بڑی لذت نفس کے ساتھ پھیلایا جا رہا ہے، ایک زمانہ تھا خبیث و جاہل قسم کے گروہ یہ کام انجام دیا کرتے تھے اب تو شریف النفس علماء، زعماء، قائدین ہر کس و ناکس اس میدان کے ہیرو نظر آتے ہیں، اسلامی شریعت نے گمراہ کن خبروں اور افواہوں سے نمٹنے کے متعدد طریقے استعمال کئے ہیں، اس میں سے ایک جھوٹ ہے جس سے جنگی خطوط پر نمٹا گیا ہے، کیونکہ افواہ پھیلانے والوں کی ابتداء ایسے ہی لوگوں سے شروع ہوتی ہے جو حقیقت واقعہ کے بالکل خلاف باتوں کو گھڑتے ہیں جو شریعت کی نظر میں حرام ہیں، اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الكَاذِبِينَ﴾

”جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔“ (سورۃ آل عمران: 61)

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« وَانّ الكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الفُجُوْرِ، وَإِنّ الفُجُوْرَ يَهْدِي إِلَى النَّارِوَإِنّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّى يُكتَبُ عِنْدَ اللهِ كَاذِبًا»

”یقیناً جھوٹ برائی کی جانب لے جاتی ہے اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے، اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔“ (صحیح بخاری:6094)

اسی طرح جھوٹ کی مذمت یوں بیان کی گئی ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« دَعْ مَا يُرِيْبَكَ إِلَى مَالَايُرِيْبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقُ طُمَانِيْنَةٌ وَالكِذب رِيْبَةٌ»

”اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے اور اس چیز کو اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے، سچائی دل کو مطمئن کرتی ہے اور جھوٹ دل کو بے قرار کرتا ہے۔“(جامع ترمذی:2518)

افواہ پھیلانے والوں کا انجام: جھوٹی خبروں کو عام کرنے اور افواہوں کے پھیلانے والوں کو اس حدیث شریف سے سبق لینا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ

”دو فرشتے آپ کو لے کر ایک ایسے شخص کی جانب چلے جو اپنی گدی کے بل چت لیٹا ہوا تھا، اور اس کے پاس ایک اور شخص (فرشتہ) لوہے کا ترشول لئے کھڑا تھا، پھر وہ اس کے منہ کے ایک طرف جا کر اس کا جبڑا گدی تک پھاڑ ڈالتا۔ نتھنے اور آنکھ کو بھی اسی طرح گدی تک چیر دیتا پھر دوسری جانب پلٹ کر ایسا ہی کرتا، جیسا کہ پہلی جانب کیا تھا، اور ایک طرف چیر کر فارغ نہیں ہوتا کہ دوسری طرف کا حصہ بالکل درست ہو کر اپنی اصلی حالت پر آجاتا، پھر وہ اس کی طرف پلٹ کر ایسا ہی چیر پھاڑ کرتا جیسا کہ پہلی بار چیر پھاڑا تھا، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”تو میں نے اپنے ساتھ والے دونوں فرشتوں سے پوچھا: سبحان اللہ، یہ دونوں کون ہیں؟ تو ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ وہ شخص جس کے پاس آپ آئے اور جس کا جبڑا اور نتھنے کو گدی تک چیرا جارہا تھا وہ ایسا شخص ہے جو صبح اپنے گھر سے نکلتا اور جھوٹ بولتا جو دور دور تک پھیل جاتا (افواہ بن جاتی)۔“ (صحیح بخاری:7047)

بے سمجھی بوجھی بات کا انجام: اس طرح جھوٹی خبر اور افواہ پھیلانے والے ہر مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر غور و فکر کرنا چاہئے:

«إِنَّ العَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَبَيَّنُ فِيْهَايَزِلُ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ المَشْرِقِ»

”آدمی اپنی زبان سے ایک بات بولتا ہے اور اس کے متعلق سوچتا نہیں (کہ وہ بات کتنی پھیلے گی کتنا کفر و فساد اور بے حیائی کی طرف لے جائیگی، قوم وملت پر اس کا کیا اثر پڑے گا) جس کی وجہ سے وہ جہنم کے گڑھے میں اتنی دور تک گرتا ہے جتنا پچھم سے پورب کا فاصلہ ہے۔“(صحیح مسلم 8892)

بنا تصدیق افواہ پھیلانے کا انجام: افواہوں کو ہوا دینے والا ایک دوسرا عنصر یہ ہے کہ آدمی جو سنتا ہے اسے بنا تصدیق کے پھیلا دیتا ہے ایسے بہت سے کم ظرف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بات میڈیا اور واٹس ایپ پر آئی ہم نے شیئر کر دی، فلاں فلاں شخص نے کہہ دی ہم نے پھیلا دیا، یہ انداز فکر انتہائی گھناؤنا ہے اور اللہ کی نظر میں بہت ہی بری بات ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کی مذمت کی ہے اور کہا کہ ایسا ہی آدمی سب سے بڑا جھوٹا وکذاب ہے اور فرمایا:

« كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِباً أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ»

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات (بلا تحقیق) بیان کر دے۔“ (صحیح مسلم:5)

اسی لئے تمام مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی تعلیم دی ہے کہ

« مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ باللهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا ، أَوْ لِيَصْمُتْ »

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ویقین رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنی زبان کھولے تو بھلی بات کرے یا خاموش ہو جائے۔“ (صحیح بخاری:6019)

منہ سے نکلنے والا ہر لفظ محفوظ ہے: ہر افواہ پھیلانے والے اور جھوٹی خبر کو عام کر کے اضطراب پیدا کرنے والے مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ ان کی ہر حرکت کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ محفوظ کروارہا ہے، کراماکاتبین ہمارے ہر بول کو محفوظ کر رہے ہیں، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں کیا ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيدٌ﴾

”(انسان) منہ سے جو لفظ بھی نکالتا ہے، اس کے پاس نگہبان (فرشتہ اسے لکھنے کے لئے) تیار رہتے ہیں۔“ (سورہ ق:18)

جو لوگ افواہوں کو سن کر یقین کر لیتے ہیں، انہیں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہرگز یقین نہ کریں بلکہ کنارہ کشی اختیار کر لیں، افواہ پھیلانے والے مسلم سماج میں خفیہ طور پر داخل ہو جاتے ہیں، دراصل وہ منافق ہیں جو چاہتے ہیں کہ مسلم سماج میں اضطراب و بے اطمینانی کی کیفیت برقرار رہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے:

﴿لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَّازَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَّلَا أَوْضَعُوا خِلٰلَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾

”اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے بلکہ تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑا دیتے اور تم میں فتنے ڈالنے کی تلاش میں رہتے، ان کے ماننے والے خود تم میں موجود ہیں اور اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔“ (سورۃ التوبہ:47)

اس آیت کی رو سے وہ سب لوگ منافقانہ عادتوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں، جو افواہوں کو پھیلا کر مسلم امت و سماج کو انتشار کی سمت دھکیلنا چاہتے ہیں اور ان میں باہمی افتراق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ افواہیں اور جھوٹی خبروں کو سننے کے بعد اہل ایمان کا یہ رد عمل ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو کنارہ کش کرلیں اور اپنے دامن کو بچالیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِيْنَ ﴾

"اور جب بے ہودہ بات کان میں پڑتی ہے تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے (الجھنا) نہیں چاہتے۔"(سورۃ القصص:55)

حضرت امام ضحاک رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ "جب کوئی آدمی تمہارے پاس آکر یہ کہے کہ فلاں مرد اور فلاں عورت ایسے ایسے برے کام کرتے ہیں تو اس کی تصدیق نہ کرو۔"(الدر المنثور)

تاریخ اسلام اور احادیث میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس میں دشمنان اسلام اور منافقین اور حاسدین کی جانب پھیلائی جانے والی افواہوں کے سبب ملت اسلامیہ کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا ہے، پوری ملت اسلامیہ میں ہیجان بپا ہوا، نفسا نفسی کا معاملہ پیش آیا، چند واقعات کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

1۔ سب سے پہلا واقعہ:

افواہوں کی تاریخ کا پہلا واقعہ تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر عائد کیا جانے والا 'واقعہ افک' ہے جو منافقین کی جانب سے پھیلائی جانے والی افواہوں میں سے سب سے بڑی افواہ تھی جسے ان کے سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے چیلوں نے تحریک بنا کر پیش کیا، سارے منافقین اس افواہ کو پھیلا کر اپنے کمینے پن اور دل کے روگ کو ثابت کیا، لیکن اس کی زد میں بعض مسلمان بھی آگئے اور اس افواہ کو یقینی سمجھ لیا، خود رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق ؓ الم و اضطراب اور کشمکش کی صورت حال سے گزرے، سارے صحابہ کرام حیران و پشیمان رہے، اس وقت کا سارا اسلامی معاشرہ ہیجان و اضطراب کی کیفیت کا شکار ہو گیا، سارے مسلم سماج پر غم کی تاریکی چھا گئی، صورت حال ایسی ہو گئی کہ کریں تو کیا کریں اور کہیں تو کیا کہیں۔ افواہیں اسی طرح سارے سماج کو مضطرب کر دیتی ہیں۔ حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے والد کے گھر جانا پڑا۔ اس افواہ کے متعلق جو بھی واقعات کتب احادیث میں ہم پڑھ سکتے ہیں، لیکن اس کی تصویر و تکلیف کو قلمبند نہیں کر سکتے۔ ایک مہینہ کے اضطراب کے بعد اللہ تعالیٰ نے جب آپ رضی اللہ عنہا کی شان میں پاکدامنی کی آیتیں نازل فرمایا تب جا کر رسول اللہ ﷺ، ابو بکر صدیق، اور تمام صحابہ کرام اور مسلم سماج کو سکون وراحت نصیب ہوا۔ اس سارے واقعہ میں کمال کا پہلو یہ ہے کہ افواہ کی اس تحریک سے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بے خبر رہیں۔ اسی چیز کو افواہ کہتے، شخصیتیں حقیقت حال سے بے خبر رہتی ہیں لیکن اس کے خلاف افواہ پھیلا دی جاتی ہے۔ اسی لئے اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ جب ایسی افواہ والی، بے بنیاد جھوٹی خبریں عام ہو جائیں تو اسے یقین کرنے کے بجائے اس کو رد و مسترد کر دیں اور کہیں کہ

﴿ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴾

"اللہ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے یہ تو سب سے بڑا الزام ہے۔" اسی طرح اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ کسی معزز و معتبر متقی، پرہیز گار، قائد، رہنما، رہبر، عالم وفاضل کے متعلق خبر آئے تو اس کے متعلق خیر و بھلائی سوچیں اور کہیں کہ یہ تو واضح کھلم کھلا بہتان ہے۔(سورۃ النور:12)

2۔ دوسرا واقعہ:

افواہوں کی تاریخ کا دوسرا واقعہ یہ کہ مدینہ منورہ میں یہ افواہ پھیلا دی گئی تھی کہ یہودیوں نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے، اسی لئے مسلمانوں کے یہاں کوئی اولاد پیدا نہیں ہو رہی ہے اور ظاہری بات ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسی ہی افواہیں پھیلا کر رشتے اور ناطے توڑ دئے جاتے ہیں اور ازدواجی زندگی کو اجیرن بنا دیا جاتا ہے)اس طرح کی افواہوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سماج و معاشرے کو ذہنی طور پر الجھا دیا جائے اور ان میں اضطراب پیدا کیا جائے، اس افواہ سے متعلق پوری روایت کتب حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ

"حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے پیٹ میں تھے انہوں نے کہا کہ پھر میں (جب ہجرت کے لئے) نکلی تو وقت ولادت قریب تھا، مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے پہلی منزل قبا میں کی اور یہیں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور اسے آپ کی گود میں رکھ دیا، رسول اللہ ﷺ نے کھجور طلب فرمایا اور اسے چبایا اور بچے کے منہ میں اپنا تھوک ڈال دیا، چنانچہ پہلی چیز جو اس بچے کے منہ میں گئی وہ رسول اللہ ﷺ کا دھن مبارک تھا، پھر آپ نے کھجور سے تحنیک کی اور اس کے لئے برکت کی دعا فرمائی، یہ سب سے پہلا بچہ اسلام میں (ہجرت مدینہ کے بعد) پیدا ہوا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ افواہ پھیلائی جارہی تھی کہ یہودیوں نے تم مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اس لئے تم

مسلمانوں کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوگا۔" (صحیح بخاری:5469)

3۔ تیسرا واقعہ:

افواہوں کی تاریخ کا تیسرا واقعہ جنگ احد کا ہے جو سنہ 3 ہجری میں واقع ہوئی، جب جنگ کا شیرازہ بکھر گیا، اور مسلمان حیران و سرگردان تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کدھر جائیں، شیطان نے یہ افواہ پھیلادی، کسی پکارنے والے کی پکار سنائی دی کہ محمد ﷺ قتل کر دئے گئے ہیں، اس خبر سے مسلمانوں کا رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا، اکثر لوگوں کے حوصلے بھی ٹوٹ گئے، بعض نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور درماندہ ہو کر ہتھیار پھینک دئے۔

اس خبر کے صحیح ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش تک باقی نہ تھی، بقول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ابھی ہماری یہی کیفیت تھی کہ نبی کریم ﷺ سعد نامی دو صحابہ کے درمیان نمودار ہوئے، ہم نے ان کی چال ڈھال سے پہچان لیا، ہم بہت خوش ہوئے اور ایسی خوشی محسوس ہوئی کہ گویا ہمیں کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں۔ (الرحیق المختوم 413، مسند احمد:2478) (یہاں واقعہ مختصر بیان کیا گیا ہے)

4۔ چوتھا واقعہ:

افواہوں کی تاریخ کا چوتھا واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ کا ہے، جب صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کی خدمت میں روانہ کیا، کیونکہ ان کا خاندان و قبیلہ مکہ میں قیام پذیر تھا اور وہ اچھی طرح آپ کا پیغام پہنچانے کے متحمل تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ "انہیں (اہل مکہ) کو بتادو کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں، بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں، انہیں اسلام کی دعوت بھی دو۔" اور آپ نے فرمایا کہ

"مکہ میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے پاس جا کر انہیں فتح کی بشارت سنادیں اور بتلادیں کہ اللہ عزوجل اب اپنے دین کو مکہ میں ظاہر و غالب کرنے والا ہے یہاں تک کہ ایمان کی وجہ سے کسی کو یہاں روپوش ہونے کی ضرورت نہ ہوگی۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کا پیغام لے کر روانہ ہوئے، مکہ پہنچ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سربراہان قریش کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنا دیا، جب آپ کی سفارت مکمل ہو چکی تو قریش نے باہمی مشورہ اور قطعی فیصلہ کرنے کے لئے آپ کو روک لیا تاکہ عثمان رضی اللہ عنہ کو جواب دے کر واپس کر دیں، لیکن دوسری جانب (منافقین کی جانب سے) یہ افواہ پھیلادی گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ نے قتل کر دیا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے تمام صحابہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بیعت رضوان لی، جب بیعت مکمل ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی واپس آگئے اور انہوں نے بھی بیعت کی اس بیعت میں سب حاضر تھے سوائے ایک منافق کے جس کا نام جد بن قیس تھا۔ (الرحیق المختوم 533، مسند احمد 10790) (اس واقعہ کو یہاں بہت ہی مختصر بیان کیا گیا ہے)

5۔ پانچواں واقعہ:

افواہوں کی تاریخ کا پانچواں یہ ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

اللہ کے راستے میں سب سے پہلے تلوار چلانے والے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں، ایک مرتبہ یہ افواہ پھیلی کہ رسول اللہ ﷺ کو کافروں نے گرفتار کر لیا ہے، اس خبر پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تلوار تھام کر لوگوں سے گزرتے ہوئے گئے، رسول اللہ ﷺ مکہ کے بالائی حصے میں تھے، ملاقات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے زبیر! کیا ہوا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ

"مجھے خبر ملی تھی کہ آپ کو کافروں نے پکڑ لیا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعا دی اور ان کی تلوار کے لئے بھی دعا فرمائی۔" (مصنف ابن ابی شیبہ: 19864)

الغرض افواہوں کی بھی ایک تاریخ ہے لیکن یہاں غور کرنا ہے کہ افواہیں پھیلانا اور افواہوں پر یقین کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے، افواہ پھیلانا اور اصل یہ منافقین، مشرکین اور یہود و کفار کا طریقہ ہے جو افوہوں کے ذریعہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرنا چاہتے ہیں۔ امت مسلمہ میں جو لوگ افواہوں کو پھیلانے کے عادی ہیں یا اس طرح کی افواہوں کی تصدیق کرتے ہیں تو انہیں اپنی عادتیں بدلنی چاہیے کیونکہ یہ غیر مسلمانہ کافرانہ و منافقانہ یہودیانہ عادتیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اضطراب آمیز جھوٹی افواہیں پھیلانے سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

☆☆☆

حکمت اور تکبر

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہر شخص کے سر (دماغ) میں حکمت (عقل) ہوتی ہے جس پر ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جب وہ تواضع اختیار کرتا ہے تو فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ

اس کی حکمت کو بڑھادو اور جب وہ تکبر کرتا ہے تو فرشتے سے کہا جاتا ہے کہ

اس کی حکمت و دانائی میں کمی کر دو۔"

(سلسلہ صحیحہ:2133)

☆☆☆



سوالات کے جوابات

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

بیوی کے لئے عمومی نان ونفقہ سے زائد عطا کرنے کا حکم

سوال: میں اس بات سے تو واقف ہوں کہ بیوی کو بطور نان ونفقہ کھانے پینے ، رہائش اور لباس کی صورت میں بقدر معروف دینا لازم ہے ، لیکن چند ایسے اخراجات جو ضروریات میں سے نہیں ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ (یعنی شوہر سے اُن کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے) جیسے:

1۔ پبلک ٹرانسپورٹ کا خرچ

2۔ کبھی کسی سہیلی کے ساتھ قہوہ خانے میں کافی کا پینا۔

3۔ بچوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کے دوران ان کے لئے سنیک خریدنا۔

4۔ بالوں کو سنوارنے کی اجرت

5۔ چھوٹی موٹی چیزوں کا روزانہ خریدا جانا۔

بیوی کی اپنی کوئی ذاتی آمدنی نہیں ہے اور وہ معاشی طور پر پوری طرح شوہر پر انحصار کرتی ہے۔ لیکن شوہر شریعت کا حوالہ دے کر ان زائد اخراجات کو دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ کیا آپ یہ واضح کر سکتے ہیں کہ اس ماڈرن زمانے ہیں، جب کہ رہائش بھی فرانس میں ہے ، مندرجہ بالا اخراجات معروف، رحمت وشفقت اور رفع الحرج (مشقت سے بچنے) کے ضمن میں نہیں آتے ؟ کیا بیوی کے لئے تو وہ شریعت کو حرف بحرف عمل میں لانا چاہتا ہے اور خود اپنی تفریح اور دلچسپی کے لیے جو چاہتا ہے، خرچ کرلیتا ہے!!

جواب: گو فقہاء کے درمیان اس بات میں تو اختلاف نہیں ہے کہ بیوی کی تمام ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کیا جائے اور وہ اس بات کا بھی لحاظ رکھتے ہیں کہ

ضروریات کے ساتھ ساتھ تحسینیات (Luxury) کا بھی ایک حد تک اہتمام کیا جائے، اگر شوہر کے ذرائع آمدنی اچھے ہیں، تو اُسے بیوی کے ان جائز اور متوسط قسم کے اخراجات کو بھی اٹھانا چاہئے جو اس کے وقار اور عزت میں اضافہ کرتے ہیں۔ جو باتیں آپ نے اپنے سوال میں درج کی ہیں، وہ یورو پین ماحول کے مطابق معمول کی چیزیں ہیں، جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ ان معمولی اخراجات پر ناک بھوں چڑھانا اور اپنی تفریح اور پسند کے لئے جو چاہنا خرچ کرنا، عائلی تعلقات کو سنوارنے میں رکاوٹ ثابت ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾ (سورۃ الطلاق 7:)

”کشادگی والے کو اپنی کشادگی میں سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر رزق تنگ کر دیا گیا ہو، وہ اس میں سے خرچ کرے جو اُسے اللہ نے دے رکھا ہے، اللہ کسی شخص پر اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جتنا اسے دیا ہے، بے شک اللہ تنگی کے بعد آسانی بھی دے گا۔“

اس آیت میں ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کو اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔ اگر آمدنی معقول ہو تو اس کا ہاتھ بھی کھلا ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر معقول آمدنی کے باوجود انسان بخل کا مظاہرہ کرے تو یہ قرآنی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے جو کہ احسان، نرمی، شفقت اور رواداری کو فروغ دیتی ہیں۔

(از ڈاکٹر نعیم الرحمن، ممبر فتویٰ کمیٹی، برطانیہ)

حرام کھانے کی ڈیلوری کے بارے میں ایک اور سوال

سؤال: میں روس کے شہر 'بنیزا' میں اپنے بھائی کے ساتھ مقیم ہوں ، ہمارے والد ہمارے اخراجات کو بمشکل پورا کر پاتے ہیں، اس لئے میں نے جزوی طور پر ایک کام کرنا شروع کیا ہے، کام یہ ہے کہ میں کھانے کے آرڈرز بذریعہ آن لائن وصول کروں اور پھر انہیں ان کے طالبین تک پہنچادوں۔ مشکل یہ ہے کہ بعض اوقات ایسے آرڈر موصول ہوتے ہیں جن میں سؤر یا سؤر کے گوشت پر مشتمل اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ آرڈر ملنے سے قبل مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ اس میں کیا مطلوب ہے، اور ایک دفعہ آرڈر قبول کرنے کے بعد میرے لئے ضروری ہے کہ میں اسے مطلوبہ دکان سے اٹھاؤں اور پھر اُسے صاحب طلب تک پہنچاؤں، میرا کام صرف اسے ڈیلور کرنا ہے، نہ میں خود اُسے خریدتا ہوں نہ ہی اسے خود تیار کرتا ہوں ، مجھے ایک دوسرا کام بھی ملا ہے لیکن اس کے اوقات اتنے نہیں ہیں کہ جو ہماری ضروریات کے لئے کافی ہوں، تو کیا میں اپنی سابق مصروفیت کو جاری رکھ سکتا ہوں کہ جس میں اتنی آمدنی ہو جاتی ہے کہ میں اپنی ضروریات کو پورا کر سکوں اور والد کے بوجھ کو کچھ کم کر سکوں؟

جواب: پہلے تو ہم آپ کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بات کا اجر عطا فرمائے کہ آپ حلال روزی کے طلبگار ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے والد کی ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹانا چاہتے ہیں جو کہ ایک باعث

اجر خدمت ہے۔ آپ کے سوال کے بارے میں عرض ہے کہ کام کی جو شکل آپ نے عرض کی ہے، وہ جائز ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا یہ کام اصلاً جائز ہے یا نہیں؟ آپ کا کام کھانے کو سائل تک پہنچانا ہے جو کہ ایک مباح کام ہے، جو اپنی ذات میں حرام کام نہیں ہے، لیکن کبھی کبھار اس میں حرام کھانے کی ڈیلیوری کا موقع بھی آجاتا ہے، تو اس وجہ سے آپ کی ساری کمائی حرام نہیں ہو جاتی، خاص طور پر اس لئے بھی کہ نہ آپ خود کھانا تیار کرتے ہیں، نہ اسے خریدتے ہیں، اور نہ ہی آرڈر کو قبول کرنے سے قبل یہ جانتے ہیں کہ اس آرڈر میں کیا مطلوب ہے اور ایک دفعہ آرڈر قبول کرنے کے بعد اُسے کینسل کرنے کا حق بھی نہیں رکھتے، تو پھر بطور اصل آپ کا کام جائز ہے اور آپ کی کمائی کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا، لیکن اس کے باوجود ہم اس بات کی نصیحت کریں گے کہ بہتر ہے کہ آپ کوئی دوسرا کام تلاش کریں، جس میں کوئی شبہ نہ ہو، جس میں حلال و حرام کے درمیان تردد نہ ہو۔

اس لیے کہ شبہات سے دور رہنے ہی میں عافیت ہے، اس میں قلبی اطمینان بھی حاصل ہوتا ہے اور اگر اللہ کی خاطر کوئی چیز چھوڑی جائے تو اللہ اس سے بہتر عوض دیتا ہے۔ آپ نے ناکافی اوقات کا بھی تذکرہ کیا ہے یعنی دوسرے کام میں اتنے گھنٹے صرف نہیں ہوتے کہ آپ اپنی تعلیم بھی جاری رکھ سکیں اور معقول آمدنی بھی حاصل کرتے رہیں، تو ہم یہ کہیں گے کہ سب سے پہلے تو آپ یہ دیکھیں کہ آپ دینی فرائض جیسے نماز، روزے اور زکاۃ کو برابر ادا کر رہے ہیں یا نہیں!

آپ کے روز و شب نماز کے مطابق گزرتے ہوں نہ کہ نماز آپ کی مصروفیات کے تابع ہو، تو اگر آپ نے نماز کی محافظت کی اور نماز کی بنیاد پر اپنے اوقات کی تقسیم کی تو اللہ تعالیٰ آپ کے اوقات میں بھی برکت عطا فرمائیں گے اور آپ کی تعلیم اور آپ کی روزی میں بھی نکھار آجائے گا۔ اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھیں، جتنی ہمت اور طاقت ہے اس سے زیادہ بوجھ اپنے آپ پر نہ ڈالیں، اپنے کام، اپنی پڑھائی اور اپنی جدوجہد میں خالصۃً اللہ کی رضا کو مطلوب رکھیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے پھر دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو بابرکت رزق عطا فرمائے، تعلیم میں توفیق سے نوازے اور آپ کو دین پر قائم رکھے۔ (فتویٰ کمیٹی برطانیہ)

وراثت کے بارے میں ایک استفسار

سوال: میں بعض مصلحتوں کی بنا پر وراثت میں اپنا حصہ اپنی والدہ اور بھائیوں کو دینا چاہتا ہوں۔ ہم برطانیہ میں رہائش پذیر ہیں، میں اولاد میں سب سے بڑا ہوں والد فروری 2025 میں انتقال کر گئے تھے، چند جائدادیں میرے پیسے سے خریدی گئی تھیں، لیکن میری شادی کے ایک ماہ بعد ہی ماں کے اصرار پر ان کے نام منتقل کر دی گئیں اور پھر انہیں میرے بھائیوں کے نام کر دیا گیا۔

میری طلاق 2004 ہی میں ہو گئی تھی۔ والدین کے ادب کی خاطر میری خاموشی کو کمزوری سمجھا گیا اور یوں میری سختیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

2005 میں میرے چھوٹے بھائی نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میرے اوپر جنات کا اور جادو کا اثر ہے۔ جو کہ میرے سابقہ سسرالی رشتہ داروں کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے پچھلے 21 سال علاج معالجہ کے لئے کئی ملکوں کا سفر کیا، خوب پیسہ بھی خرچ کیا لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا، حقیقت یہ ہے کہ یہ میری بیٹی کی جدائی کا افسوس اور غم تھا، جسے ان لوگوں نے جادو کا نام دیا، میری والدہ مجھے تعویذ لا کر دیتی رہیں، لیکن اب مجھے احساس ہو گیا کہ یہ سب کچھ مجھے ان کا تابع رہنے کے لئے کیا جا رہا تھا، اس لیے میں نے یہ تعویذ ضائع کر دیئے ہیں۔ اب میری عمر 55 سال کی ہو چکی ہے۔ میری ایک ہی بیٹی ہے جسے میں نے پچھلے 15 سال سے نہیں دیکھا۔

میں نے یہ سوال دیانت دارانہ طور پر سمجھنے کے لئے کیا ہے کہ گھر کی اس صورتحال میں مزید پریشانی اور الجھنوں سے بچنے کے لئے اگر میں اپنا حصہ ماں اور بھائیوں کے لئے چھوڑ دوں تو کیا ایسا کرنا جائز ہو گا۔

بعض علما کا کہنا ہے کہ حصہ چھوڑ دینے کا مطلب ہے کہ آپنے اپنی اولاد کو ترکہ سے محروم کر دیا، لیکن یہ بھی تو ہو سکتا کہ ایک آدمی اپنا حصہ وراثت وصول کر لے اور پھر وہ کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو ایسی صورت میں بھی تو اولاد محروم رہے گی؟

برائے مہربانی قرآن اور سنت کی روشنی میں میری رہنمائی کی جائے۔

ہاں! یہ بھی بتایا جائے کہ اگر میں فیملی کی خوشی کی خاطر اپنا حصہ چھوڑ دیتا ہوں تو کیا یہ عمل میرے لیے باعث اجر و ثواب ہو گا؟

جواب: ہمیں آپ کے دل گرفتہ حالات جان کر بہت افسوس ہوا، ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کے حالات بہتر فرمائیں، آپ کی مشکلات کو آسان فرمائیں اور آپ کے لئے آسانیاں پیدا فرما دیں۔

آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اپنے اقرباء نے آپ کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں۔ اصولی اعتبار سے ترکہ میں سے آپ کا حصہ آپ کا حق بنتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ ایک واجب ہے اور آپ کا استحقاق اس لئے بھی بڑھ جاتا ہے کہ پراپرٹی کی خرید میں بھی آپ کا تعاون حاصل تھا۔ جہاں تک رضاکارانہ طور پر وراثت میں اپنا سارا حصہ یا جزوی حصہ چھوڑ دینے کا مسئلہ ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ایسی کوئی صریح دلیل نہیں ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ امر ناجائز ہے اور ایسے ہی

ایسی کوئی دلیل بھی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ وراثت میں اپنا حصہ کسی اور کے حق میں چھوڑ دینا کوئی باعث اجر عمل ہے، کیونکہ یہ تو وہ حصہ ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی نیک نیتی کا ثواب تو آپ کو ملے گا کہ آپ نے یہ کام صرف اس لئے کیا کہ خاندانی تعلقات میں رخنہ پیدا نہ ہو، فتنہ مزید نہ بڑھے، اور کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اللہ بہتر جانتا ہے کہ دل میں کیا ہے اور وہ اپنے بندے کو کیسے نوازتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم یہ گزارش کریں گے کہ آپکے لئے بہتر یہی ہو گا کہ آپ ایک مناسب باوقار اور حکیمانہ طریقے سے اپنے حق کا مطالبہ کریں۔ اسلام میں اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا مشروع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَمَنِ انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ ﴾

(سورۃ الشوریٰ:41)

"اور جس شخص پر ظلم کیا گیا ہو اور وہ اس کا بدلہ لے تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک آدمی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول! اگر ایک آدمی میرے سے میرا مال چھیننا چاہے تو آپ کیا کہیں گے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنا مال مت چھوڑنا۔"

اس نے کہا: لیکن اگر وہ مجھ سے لڑائی کرنا شروع کر دے تو؟ آپ نے کہا: "تو پھر تم اسے لڑائی کرو۔" کہا: "اگر وہ مجھے مار دے؟" کہا: "تم شہید شمار ہو گے۔" اس نے کہا: "اور اگر میں اس کو مار دوں؟" کہا: "تو وہ شخص نارِ جہنم واصل ہو گا۔" (صحیح مسلم)

ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کے حالات ساز گار کر دے۔ آپ کو ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے اور آپ کو دنیا و آخرت میں توفیق عطا فرمائے۔

(فتویٰ کمیٹی برطانیہ کے اجلاس کے شرکاء: ڈاکٹر صہیب حسن، مفتی برکۃ اللہ، ڈاکٹر نعیم الرحمن، سیکرٹری اجلاس: سفیان ضبابی (تونس)، کاتب جوابات از ریکارڈنگ: محمد جان شیر خان الاثری)

☆☆☆

قیام کیلئے غسل کرنا، مسواک کرنا، خوبصورت لباس پہننا، بہترین خوشبو استعمال کرنا

1۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک برتن تھا جس میں آپ کی مسواک رکھی جاتی، جب آپ رات کو قیام کیلئے اٹھتے، استنجا کرتے، مسواک کرتے، وضو کرتے اور پھر اپنی ازواج کے گھروں میں سے خوشبو تلاش کرتے اور لگاتے۔

2۔ سیدنا عبد اللہ بنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ ان کو پسند تھا کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوں تو اچھے، صاف ستھرے کپڑے پہنیں اور خوشبو لگائیں۔

3۔ حضرت تمیم داری رحمہ اللہ جب رات کو تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو عمدہ بہترین خوشبو لگاتے اور ایک ہزار (درہم) کی قیمت کا جوڑا خرید ارکھا تھا جو قیام کے وقت زیب تن کرتے۔

4۔ حضرت ابنِ محیریز رحمہ اللہ جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو بہت قیمتی خوشبو منگواتے اور اسے بہت زیادہ لگاتے جس سے انکے کپڑے بہت زیادہ معطر ہو جاتے۔

5۔ مغیرہ بن حکیم صنعانی رحمہ اللہ جب تہجد کے لیے اٹھتے تو بہترین کپڑے پہنتے اور اپنے گھر والوں سے خوشبو لے کر لگاتے۔ (ان کا ایک اور وصف بیان ہوا کہ) وہ تہجد گزاروں میں سے تھے۔

6۔ علامہ عمرو بن الاسود رحمہ اللہ نے اسی (80) دینار کا ایک (بشت) حلہ خریدا اور اسے ایک دینار میں رنگوایا، وہ اسے سارا دن سنبھال کر لپیٹے رکھتے اور رات اسی میں قیام کرتے۔

7۔ امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ لوگ رات کے وقت لہسن اور پیاز وغیرہ کھانا اچھا نہیں سمجھتے تھے اور انہیں پسند تھا کہ آدمی جب رات کو قیام کرے تو خوشبو لگائے، اور وہ خوشبو اپنی داڑھی مونچھوں کو بھی لگائے۔

8۔ امام عبد اللہ بن زکریا رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اور ان کے تمام ساتھی عشاء کے بعد جب قیام کا ارادہ کرتے تو روزانہ غسل فرماتے۔

(مختصر قیام اللیل وقیام رمضان لمحمد بن نصر المروزی: ص112)

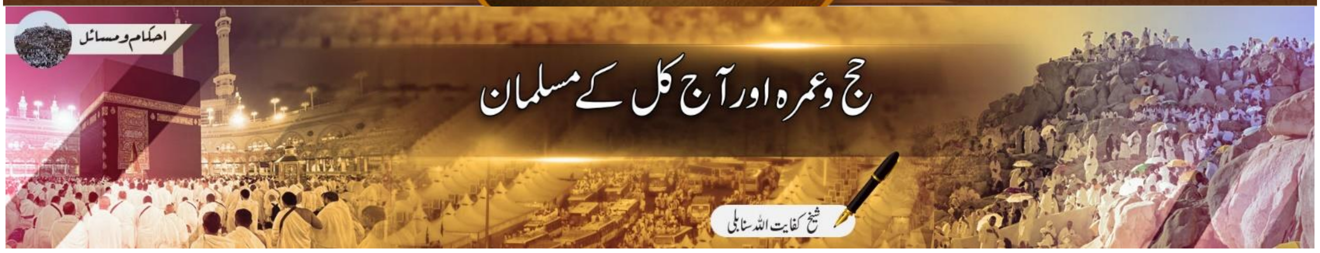
☆☆☆

حاجی محمد حنیف رحمانی کو صدمہ

برمنگھم کے حاجی محمد حنیف رحمانی اور حاجی محمد رفیق رحمانی کی ہمشیرہ اور ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم کے سابق ٹائپسٹ اور آرٹسٹ جناب مظہر اقبال کی خوشدامن صاحبہ محترمہ گلزار بیگم 72 سال کی عمر میں قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ پابند توحید وسنت اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں، ان کی نماز جنازہ مسجد محمدی الم راک برمنگھم میں ادا کی گئی۔ جس میں برطانیہ بھر سے اعزہ واقارب نے شرکت کی۔ مولانا محمد عبد الہادی العمری نے نماز جنازہ پڑھائی اور سٹن کولڈ فیلڈ برمنگھم میں تدفین عمل میں آئی، پسماندگان میں چار بیٹیاں اور ایک بیٹا بھی سوگوار ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مرحومہ کے گناہوں کو معاف فرما دے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆



حج وعمرہ اور آج کل کے مسلمان

شیخ کفایت اللہ سنابلی

ان دنوں حج وعمرہ کے تعلق سے ہم عجیب وغریب منظر دیکھتے ہیں، لگتا ہی نہیں یہ کوئی عبادت ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے یہ کوئی دنیاوی فنکشن ہے۔ حج وعمرہ پہ جانے سے پہلے رشتہ داروں سے دعوتی ملاقات، محلے میں حاجی اور معتمر کی دعوتوں کی لمبی قطار، گھر پہ اجتماع پہ اجتماع ، مکہ جاتے وقت گلے میں ہارومالا پہناپہنا کر راجاؤں مہاراجاؤں کی طرح رخصتی مانو کسی ملک کو فتح کرنے جارہے ہیں۔ پھر دوران عبادت مکہ میں مختلف قسم کے اعمال جو عبادت کے لئے نقصان دہ وہ کئے جاتے ہیں۔ ان میں ایک کام لمحہ بہ لمحہ کی تصویر کشی یا عبادت کرتے ہوئے ویڈیو کا لنک تاکہ اپنی عبادت کو دکھا سکیں۔

بیت اللہ سے واپسی اور اپنے گھر پہنچنے پر استقبال کا منظر بھی بیحد افسوسناک ہوتا ہے۔ پھول مالا لئے ملنے والوں کی ایک لمبی قطار جو مالا پہنا پہنا کر ملک و قلع فتح کرلینے جیسی مبارکبادی دیتی ہے، بعدہ اسے سرٹیفائڈ حاجی اور معتمر کالقب مل جاتاہے پھر مرتے دم تک بلکہ مرنے کے بعد بھی حاجی صاحب، حاجی صاحب سے پکارے جانے لگتے ہیں۔ العیاذ باللہ

ہمیں معلوم ہوناچاہئے کہ حج اور عمرہ عظیم عبادت ہے اور عبادت کی قبولیت کے لئے اخلاص نیت اوراتباع سنت ضروری ہے۔ بغیر اخلاص اور بغیر اتباع رسول کے حج وعمرہ قبول نہیں ہوگا بلکہ دین کا کوئی عمل اس کے بغیر قبول نہیں ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل کے حج وعمرہ میں نہ اخلاص ہے اور نہ ہی اتباع رسول ہے۔

اخلاص اس لئے نہیں ہے کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے حج وعمرہ کیا جارہا ہے ، جو اخلاص کے ساتھ حج وعمرہ کرے گا وہ کبھی اپنی عبادت کا پرچار نہیں کرے گا۔ لوگوں کو اپنے گھر بلابلا کر اجتماع کرنا، گھر گھر جاکر دعوت کھانا، گاؤں گاؤں گھوم کر اپنے پرائے سب سے ملاقات کرنا یہ سب اخلاص کے منافی ہیں۔

اور اتباع سنت اس لئے نہیں کہ ہمیں نبی ﷺ اور آپ کے پیارے اصحاب کی زندگی میں حج یا عمرہ کی انجام دہی میں اس قسم کا کوئی نمونہ نہیں ملتا، اور کیسے ملے گا، یہ تو شہرت کی باتیں ہیں جو اخلاص کے منافی اور عمل کو غارت کرنے والی ہیں۔

گویا عبادت کی قبولیت کی دونوں شرطیں آج کل کے اکثر حج وعمرہ انجام دینے والوں میں نہیں پائی جاتیں۔ پھر ایسی عبادت کا انجام کیا ہوگا۔ آیئے نبی ﷺ کی حدیث دیکھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”قیامت کے روز سب سے پہلا شخص جس کے خلاف فیصلہ آئے گا، وہ ہوگا جسے شہید کر دیا گیا۔ اسے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی (عطا کردہ) نعمت کی پہچان کرائے گا تو وہ اسے پہچان لے گا۔ وہ پوچھے گا تو نے اس نعمت کے ساتھ کیا کیا؟“ وہ کہے گا:

”میں نے تیری راہ میں لڑائی کی حتی کہ مجھے شہید کر دیا گیا۔“ (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا:

” تو نے جھوٹ بولا۔ تم اس لیے لڑے تھے کہ کہا جائے:

”یہ (شخص) جری ہے۔ اور یہی کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا تو اس آدمی کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا یہاں تک کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔“ اور وہ آدمی جس نے علم پڑھا، پڑھایا اور قرآن کی قراءت کی، اسے پیش کیا جائے گا۔ (اللہ تعالیٰ) اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا، وہ پہچان کرلے گا، وہ فرمائے گا:

”تونے ان نعمتوں کے ساتھ کیا کیا؟“ وہ کہے گا:

”میں نے علم پڑھا اور پڑھایا اور تیری خاطر قرآن کی قراءت کی، (اللہ) فرمائے گا:

”تو نے جھوٹ بولا، تو نے اس لیے علم پڑھا کہ کہا جائے (یہ) عالم ہے اور تو نے قرآن اس لیے پڑھا کہ کہا جائے:

”یہ قاری ہے، وہ کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا، اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا حتی کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور وہ آدمی جس پر اللہ نے وسعت کی اور ہر قسم کا مال عطا کیا، اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا، وہ پہچان لے گا۔“ اللہ فرمائے گا:

”تم نے ان میں کیا کیا؟ کہے گا:”میں نے کوئی راہ نہیں چھوڑی جس میں تمہیں پسند ہے کہ مال خرچ کیا جائے مگر ہر ایسی راہ میں خرچ کیا۔“

اللہ فرمائے گا:

”تم نے جھوٹ بولا ہے، تم نے (یہ سب) اس لیے کیا تاکہ کہا جائے، وہ سخی ہے، ایسا ہی کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا، تو اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، پھر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔“ (صحیح مسلم:1905)

اس حدیث سے آپ نے جان لیا کہ شہرت کے لئے جہاد کرنا، شہرت کے لئے علم حاصل کرنا اور شہرت کے مال خرچ کرنا جہنم میں لے جانے کا سبب ہے تو جو شہرت والا حج یا عمرہ کرے وہ اپنا مال بھی ضائع کرتا ہے، وقت بھی ضائع کرتا ہے اور ایسے آدمی کا بھیانک انجام یہ ہوگا کہ اسے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ ہمیں شہرت سے بچائے۔

اسلامی بھائیو اور بہنو!

ہمیں اپنے رب سے ڈرنا چاہئے اور عبادت کی انجام دہی میں اخلاص وللّٰہیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسوہ رسول کو اپنانا چاہئے۔

عمرہ کے تعلق سے ایک بات مزید واضح کرنا چاہتا ہوں کہ

آج کل حرم شریف میں زمین پر اصل مطاف میں بغیر احرام کے طواف کرنے پر پابندی لگی ہوئی ہے تو وہ لوگ جو صرف طواف کرنا چاہتے ہیں نیچے طواف کرنے کے لئے احرام کا لباس لگا لیتے ہیں۔ یہ عمل شرعا بھی غلط ہے اور قانونا بھی۔ شرعا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر طواف کرتے ہیں تو بغیر احرام کے طواف کرتے ہیں اس لئے صرف طواف کرنے کے لئے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے اور قانونی طور پر غلط تو ہے ہی۔

آخر میں اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ

اپنے حج وعمرہ میں اخلاص پیدا کریں، حج یا عمرہ کرنے سے پہلے یا دوران حج وعمرہ یا حج وعمرہ کے بعد ایسے کام کرنے سے بچیں جو آپ کی عبادت کو برباد کر دے، آپ یہ نہ کہیں کہ لوگ ایسا کرتے، ہم ان لوگوں کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ نہیں یہ آپ کرتے ہیں کیونکہ آپ کے ساتھ یہ ہوتا ہے اور آپ صاحب معاملہ ہیں۔ آپ چاہیں تو یہ سب کام ہوتے رہیں گے اور آپ نہ چاہیں تو یہ سب کام بند ہو جائیں گے۔ آپ کو کوئی آگ پر چلنے کو کہے یا گولی مارنے کو کہے آپ انکار کر دیں گے، پھر جو لوگ آپ کے حج کو برباد کرنے میں لگے ہیں، ان کے حساب سے کیوں چلتے ہیں؟۔ آپ حج کر رہے ہیں اور آپ صاحب معاملہ ہیں تو آپ کے ساتھ ہونے والے معاملات کا مکمل آپ ہی ذمہ دار ہیں۔ اس لئے خدارا! عبادت کو عبادت ہی رہنے دیں، اس کو کھیل تماشہ، رسم ورواج اور فنکشن نہ بنائیں۔ یہ بڑی عظیم عبادت ہے، زندگی میں ایک بار ہی حج فرض ہے، زندگی بھر کی ایک عظیم عبادت کو اللہ کی رضا کے لئے انجام دیں۔ خود بھی غلط کاموں سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

وماعلینا إلاالبلاغ المبین

☆☆☆

حاجیوں کے نام مبارک بادی کا پیغام

تمہیں مومنو! حج کو جانا مبارک
جزائے عمل حق سے پانا مبارک
وہ اللہ سے لو لگانا مبارک
حرم کو جبیں سے بسانا مبارک
عبادت میں سر کو جھکانا مبارک
غمِ ماسوا کو بھلانا مبارک
علائق یہ قینچی چلانا مبارک
گناہوں سے دامن بچانا مبارک
رہ حق میں دولت لٹانا مبارک
قدم نیکیوں میں بڑھانا مبارک
صنم خانہ کبر و نفسانیت کو
خود اپنے ہی ہاتھوں سے ڈھانا مبارک
وفور تمنا سے بیتاب ہو کر
مسرت کے آنسو بہانا مبارک
وہ حق کی اشاعت میں سرگرم ہر دم
وہ باطل کا غزہ مٹانا مبارک
شہنشاہ کونین کے آستاں پر
بصد آرزو تم کو جانا مبارک
جو ہے تم سے روٹھا ہوا ربّ کعبہ
اسے ہر طرح اب منانا مبارک
بصد شوق آنا لب چاہِ زمزم
وہ جی بھر کے پینا پلانا مبارک
کبھی خلوت شب میں وہ اشک ریزی
کبھی زیر لب مسکرانا مبارک
زیارت کی خاطر مدینہ کو جانا
سعادت کا گنجینہ پانا مبارک
حرم کی مقدس فضاؤں میں ہر دم
دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھانا مبارک
سلامت یہاں لوٹ کے آؤ جب تم
وہ ساتھ اپنے برکات لانا مبارک
پہنچ کر سر بارگاہ رسالت
بہ ہر شوق نغمہ سنانا مبارک
یہ پیغام حماد تم یاد رکھو
دلوں کو تمنا سے آباد رکھو

ابو لبیان حماد رحمہ اللہ

☆☆☆

موت کا خوف

حضرت عوف اعرابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایک آدمی نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا کہ مجھے موت سے خوف ہے۔ فرمایا:

”یہ اس لئے ہے کہ تم نے اپنا مال اپنے پاس محفوظ کر رکھا ہے، اگر تم اسے آگے بھیجتے تو اس کے پاس جانے سے تمہیں مسرت ہوتی۔

(المجالسۃ وجواہر العلم:1569)

☆☆☆



تاریخ اہل حدیث

ڈاکٹر بہاء الدین

شرط اول:
آنکہ قیا سے کہ استنباط احکام
مذکورہ بآں کر دہ باشند فی نفسہ
صحیح باشد و شرا ئط صحت قیاس
در کتب اصو ل مفصلاً مذ کور است
پس قیاسے کہ فی نفسہ صحیح نبا شد
ہر گز مقبو ل نیست اگر چہ از مجتہد
ین سا بقین منقو ل با شد مثل قیاس
عبادات بد نیہ بر عبادات ما لیہ در با
ب نیا بت احیاء از اموا ت کہ صریح
الفسادات است، چہ حلۃ د خول
عبادت بد نیہ در امور دینیہ انعاب
نفس امارہ است در طاعت حق جل
ذکرہ و اظہار تذلل عبو دیت و اکتساب
کیفیات آن افعال در جذر مزاج روحانی
مثل اکتسا ب کیفیا ت اغذیہ و اد ویہ
در جذر مزا ج جسما نی و مثل اکتساب
ملکا ت نفسا نیہ بمزا ولۃ و افا عیل
جسما نیہ و نیا بت دریں امور متعذر
است و الا لازم آ ید کہ در با ب تا دیب
حیوا ن و صبیا ن و نسوا ن و تہذ یب
ا خلاق ایشا ں و در با ب اکرام و تو قیر
کبراء و در باب اکل و شر ب و جماع و
تداوی و در با ب تعلّم علو م و صنا ئع
و حِر ف و ورز ش جسما نی و ریا ضت
نفسا نی و مراقبات و اشغا ل نیا بت
جا ری با شد و ثمرا ت اشیاء مذ کورہ
از نا ئب بہ منیب انتقا ل کند
و ہو محال بحسب العادت الا لھیۃ
و ان کا ن ممکناً بحسب قدرتہ تعا لی
و علت دخو ل عبا دت ما لیہ در امور
دینیہ رفع حا جت مفا لیس و ذوی
الحا جا ت است و نظم سیا ست
مدنیہ و حفظ ضعفاء اہل ملت از
ہلاک و تلف و نیا بت در ا مثا ل این
امور عرفا و شر عاً جا ر یست مثل
قضائے دیون و ایفا ئے حقو ق اہل و
عیال و جیرا ن و نو کرا ن ومثل
سیاست مد نیہ بفیصل خصو ما ت و
تعزیر دزدان و قطا ئع الطر یق و مثل
سیا ست ملت تعلیم علو م و امثا ل آن
کہ نیا بت در آن جا ریست و سر انجام
دا دن مہما ت مذ کورہ کہ از نا ئب
صا در شدہ منسو ب بمنیب میگر دد
و ثمرا ت آ ن مثل فرا غ ذمہ از دیو ن
و حقوق نیک نا می بسر انجا م دادن
مہما ت و تر قی منصب او بروئے
سلاطین بمنیب عا ئد میگر دد پس
قیاس احد ھما علی ا لآ خر در با ب نیا
بت قیاس بلا علۃ (بلا ، کا لفظ
نسخہ اشرفیہ یعنی نسخہ دو م میں
نہیں ہے ۔ اور اس لئے تر جمہ میں
بھی، بلا ، کا تر جمہ نہیں ہوا ۔ بہاء)
جامعہ است بالجملہ حکمے کہ بقیاس
فاسد مستنبط باشد از قبیل بدعا ت
است اگر چہ صا حب آن معذور باشد
نہ از قبیل سنت حکمیہ زیرا کہ آ نچہ
قائس نظیر حکم خود فہمید و بر آ ن
قیاس کردہ است فی الحقیقت نظیر او
نیست پس در نفس ا لا مر محد ث
باشد و وقتیکہ حکم مذ کور را از احکام
شر عیہ شمر دہ شد پس محد ث در
امر دین با شد و ہمیں است معنی
بدعت۔

شر ط ثا نی:
آ نکہ قا ئس از مجتہد ین با شد نہ از
مقلد ین و و جہش آ نکہ ہر چند وجود
نظیر شئے در نص در حکم و جود نفس
آ ن شئے است اما ادرا ک آ نکہ فلاں
چیز نظیر فلاں چیز است پس مو قوف
است بر فطا نۃ بالغہ زیرا کہ مراد از
نظیر در ما نحن فیہ مشا ر ک اوست
در علت حکم نہ مشا بہ او در او صاف
با قیہ و ملکہ تمیز علۃ از سائر
اوصاف عمدہ ار کا ن اجتہاد است چہ
بسامی باشد کہ شخصے چیز ے را نظیر
چیز دیگر بسبب کمال مشا بہت قرار
دادہ حکم اصل را بر فرع جا ری مینما
یند حا لا نکہ فی الحقیقۃ چیز مذ کور
نظیر او نیست بنا بر عد م مشارکت در
علت حکم پس اجراء حکم بر آن چیز
فی الحقیقت از قبیل محد ثا ت است
اگر شخص مذ کور آ نرا از قبیل سنت
حکمیہ میشمارد، مثلاً بادشاہے با تباع
خود امر فر مود ہ کہ زید را اعزاز و
اکرا م کنند و زید در نفس ا لا مر با
عتبار صورت و سیرت و حر فت مو
صو ف است باوصاف کثیرہ کہ از آں
جملہ علم است و مدار حکم اعزا ز و
اکرا م است و عمرو با او در صورت و
سیرت و حرفت و صنعت و سن و
نسب مشا بہت تمام میدارد اما جاہل
است و بکر باو در جمیع امور مذ کورہ
مخا لفت میدارد ا ما عالم است پس
بکر با و جود این قدر مخا لفت نظیر
زید است پس حکم باد شا ہی کہ
باکرام زید صادر گر دید مشتمل است
بر اکرام بکر نیز حکماً و عمرو باو جود
مشا بہت تا مہ نظیر زید نیست پس
اکرام او مندر ج حکم بادشا ہی نیست
بلکہ مخا لف اوست پس کسے کہ حکم
چیز ے بر نظیر آن چیز اجراء کند لا
بد ملکہ ادرا ک مدار اصل حکم داشتہ
باشد و الا یمکن کہ در و ر طہ مخا
لفت حکم سلطا نی گر فتار گر دد و
ہمیں ملکہ ادراک مدار ا صل حکم را
ملکہ اجتہاد میگو یند پس مسا ئل
مستنبطہ غیر مجتہد ین کہ بقیاس
خود بر آوردہ اند متر ددا ست در آ نکہ
از قبیل سنت حکمیہ باشد یا از جنس
بدعا ت حقیقیہ چہ حکم مستنبط را
البتہ از احکا م دین می شما رند و ہر
گاہ کہ چیز ے متر دد باشد در میا ن
سنت حقیقیہ و بدعت حقیقیہ

باعتبار ضعف روا یت جا نب بدعت
او را ترجیح میدہند و احتراز از و لازم
ے شما رند چنا نچه شیخ ابن الهما م
در فتح القدیر و صا حب مجا لس الا
برار بآ ن تصریح فر موده اند پس وقتے
که چیز ے متر دد باشد در میان
سنت حکمیه و بدعت حقیقیه جانب
بدعت او البته را جح خوا ہد گر دید و
از جنس بدعا ت حقیقیه البته شمر ده
خواہد شد ، بالجمله مسا ئل مستنبطه
مجتهد ین سا بقین که مسلم ا لا جتهاد
اند بقیاسا ت صحیحه ے شک از
قبیل سنت حکمیه است و اما
تخریجات متا خرین فقهاء مثل تحدید
مائے کثیر بعشر فی العشر بنا بر قیاس
بر زمین متعلقه چاه و مثل حکم
باستحبا ب تکلم با لفا ظ دا له بر نیت
در با ب عبا دت بنا بر قیاس بر تکلم
الفا ظ عقود در با ب معا ملا ت و مثل
حکم بو جو ب تقلید مجتهدی معین از
مجتهد ین سا بقین و حکم بالتزام
بیعت شیخے معین از شیو خ طر یقت
بنا بر قیاس بر اطاعت امام وقت و
التزام بیعت او و مثل حکم بجواز تقبیل
قبر بنا بر قیاس بر تقبیل میت که از آ
نجنا ب ﷺ منقول است به نسبت
عثما ن بن مظعو ن و از جنا ب صدیق
اکبرؓ به نسبت آنجناب ﷺ منقو ل
است و مثل حکم بجواز ہبه ثوا ب عبا
دت برا ئے اموا ت بنا بر قیا س بر ہبه
ا عیا ن برا ئے احیاء بخلاف مسئله
نیا بت عن المیت که آ ن در عبا دا ت
ما لیه مسلم است و در عبادات بدنیه
مختلف فیه و مثل حکم به منسو خیة
احادیث واقعه دا لّه بر حر مت مزامیر
بنا بر قیاس بر منسو خیة حر مت
استعما ل ظرو ف خمر و امثال آن از
تخر یجا ت غیر محصوره که منقو ل
از متاخرین فقهاء و صو فیه است و
کتب فقه و سلو ک بآ ن مملو و
مشحو نست و اکثر اتباع ایشا ں ہمیں
تخریجا ت محد ثه را ا حکا م شر یعت
و اسرار طر یقت ے نگا رند ہمه از
قبیل بدعا ت است و دلا ئل ایشا ن
ہمه از قبیل لطا ئف شعریه و نکا ت
مخیله است که ہرگز ا حکا م مذکوره
را از حد بدعت خا ر ج نمی گر دا ند
و در دا ئره شریعت ایما نیه و طر یقه
احسا نیه دا خل نمی کند۔

شرط ثا لث:

آنکه مر تبه سنت حکمیه را که بمراتب
فرو تر از سنت حقیقیه و ملحق با
لسنه است محفوظ دارد بیا نش آنکه
ہر چند مسا ئل اجتها دیه که
مجتهدین سا بقین مسلم الاجتهاد آن را
بقیاسا ت صحیحه استنبا ط کر ده
باشند از قبیل سنت حکمیه است اما
فکر بشری را درا ن د خل عظیم است
و ا حتما ل خطا در آ ن گنا ئش دارد
بخلا ف سنت حقیقیه و ملحق
بالسنة که حفا ظت ر با نیه و کفا لت
رحمانیه بآن متعلق گر دیده پس لا بد
آن ہمه سراسر شعشه است از
شعشات با ب غیور که ظلما ت ضلا
ل بآ ں مضمحل است و خفا ش و ہم
خطاء ازان دور دور ۔ پس لا بد رعا
یت اختلاف مر تبتین پیش نظر با ید
داشت و این رعا یت ا ختلا ف مراتب
را در ضمن تمثیلے ایضا ح مینما یم.
پس میگو یم چنا نکه سلا طین عدا
لت شعار بنا بر نظم و نسق کا ر خا نه
سلطنت و سیا ست رعا یا دو قسم سر
شته کارو بار بر رو ئے کا ر ے آ رند :
قسم اول آ نست که مر کز دا ئره
سلطنت ہما نست و مدار اصل
سیاست بر آن و آن سر رشته حکومت
است مثل تعین آ ئین سیاست و امرائے
جنود و حکا م بلدا ن و نا ئبا ن ایشا ن
و تقسیم جنود بعسا کر و عساکر
بجماعات و تعیین امیرے کبیر بر سر
ہر عسکر و امیرے صغیر بر سر ہر
جما عت و تقسیم اقا لیم با ضلا ع و
اضلاع ببلدان و قرے و بلدان بمحلات
و تعیین امیرے کبیر بر ہر ضلع و
امیرے صغیر بر ہر بلده و گذ ر با نی
بر ہر محله بارسال فرامین و
پروانجات مشتمله بر قوا نین آئین و ا
حکام سیاست بسو ئے امراء اجناد و
امصار مشتمله بر مامور کر دن ایشان
بر اجرا ئے آ ن ا حکا م بطر یق جبر و
حکو مت و ارسا ل اشتہارات بنا م سپا
ہیا ن اجناد و رعا یا ئے امصار مشتمله
بر احکا م سیاست و ما مور سا ختن
ایشان بامتثال احکام مندرجه
اشتہارات و اطاعت حکا م خود در
مقدماتیکه بر یاست و سیا ست تعلق
میدارد و امثال این امور که بر مہره فن
ریاست و سیاست پو شیده نیست.
قسم ثا نی آ نست که بنا بر تیتم قسم
اول و تکمیل آن و تمهید مقد ما ت آن
تعیین فر موده اند مثل تعیین چوبدا
را ں و ہرکاره ہا برا ئے رسا نید ن فرا
مین و اشتہارا ت بسو ئے امراء و رعا یا
و مثل تعیین عقلا ئے اہل گیاست و
فطا نت در اجناد و اضلا ع که از قوا
لب قوا نین و آ ئین و اشارات فرا مین
و فحادی اشتہارا ت با صول مقا صد
ے بر ند و حکا م نظا ئر استنبا ط نما
یند و مہم را از اہم و قبیح را از اقبح
تمیز د ہند و امراء را بطر یق مشوره
رعا یا را بطر یق تر بیت بر آ ن آگاه
سازند و مثل تعیین مدبرین و ار با ب
سلیقه و مہا رت که نظر بمصالح زمان
ومکان و اشخاص کرده طر یقے انسب
برائے اجرائے احکام سلطانیه تعیین کنند
و امراء را بطر یق مشوره بران آگاه سا
زند یا طر یقے اسہل برا ئے امتثال ا حکا
م سلطا نیه تعیین کنند و رعایا را بطر
یق شفقت برا ن تر غیب کنند و مثل
تعیین منشیان ارباب بلاغت و ما ہران
زبان آئین و اصطلاحات فرا مین و
لسان مستعمل درحضور سلطانی و
محاورا ت دائره و سائره در ملازمان
بادشا ہے که بخوا ند ن آئین و فرامین
و نوشتن عرائض بحضور سلطا نی خد
مت امراء و معونت رعایا نما یند و
مثل تعیین محا فظا ن دفتر و تاریخ
نویسان که تواریخ ورود فرامین
سلطانی وقائع امرائے اجناد و اضلاع و
احکام مستنبطه عقلاء و مصالح نا فعه
مدبّرین و نکات مهمیه منشیا نرا
مرتب کر ده در دفا تر و کتب محرر نما
یند تا در حق امراء و عقلاء و مد بر ین
و منشیان متا خر ین نا فع با شد۔

